ماہنامہ

مُحدِّث

بنارس

جنوری وفروری ۲۰۲۵ء ◆ رجب وشعبان ۱۴۴۶ھ

قرآن مجید کا مقام ومرتبہ اور ہم مسلمانوں کی ذمہ داریاں ۲
اسلام آمیزش سے پاک ایک صاف ستھرا دین ہے ۹
بعث بعد الموت نقل وعقل کی روشنی میں ۲۲
شہرہ آفاق کتاب فتح الباری... ۳۵
دعوت وارشاد کے میدان میں حکمت کی اہمیت ۵۱

دارالتالیف والترجمہ، بنارس، الہند

دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلہ محدّث بنارس

جلد: ۴۲
شمارہ: ۱-۲

رجب وشعبان
۱۴۴۶ھ
جنوری وفروری
۲۰۲۵ء

اس شمارہ میں

۱-قرآن مجید کا مقام ومرتبہ ...	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲-ماہِ شعبان کی فضیلت اور مروجہ بدعات	ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ	۵
۳-اسلام آمیزش سے پاک ...	مدیر	۹
۴-استقامت وثبات ...	محمد محبّ اللہ محمدی	۱۴
۵-بعث بعد الموت نقل وعقل کی روشنی میں	فہیم اختر سلفی	۲۲
۶-شراب نوشی کے انسداد میں مذاہب عالم...	ڈاکٹر عبدالصبور	۲۷
۷-شہرہ آفاق کتاب فتح الباری ...	ڈاکٹر امیر الاسلام	۳۵
۸-حدیث الموتان ...	عبدالعلیم سلفی	۴۱
۹-دعوت وارشاد کے میدان میں حکمت...	مترجم: ابوالبیان سلفی	۵۱
۱۰-قاعدۃ فی الاستحسان ...	عبدالاحد مدنی	۵۵
۱۱-یہودیت اور اسلام	حمدان ساکری	۵۷
۱۲-سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا	ظل الرحمٰن فائق بندوی	۶۱
۱۳-اخبار جامعہ	ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ	۶۹

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد ایوب سلفی

معاون مدیر
اسرار احمد ندوی

مجلس مشاورت
مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا صلاح الدین مقبول مدنی
مولانا محمد یونس مدنی
ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	300	روپئے
خصوصی تعاون:	1000	روپئے
بیرون ممالک:	50	ڈالر امریکی
فی شمارہ:	30	روپئے

مراسلت کا پتہ

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **INDIAN BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: IDIB000V509

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

قرآن مجید کا مقام ومرتبہ اور ہم مسلمانوں کی ذمہ داریاں

عبداللہ سعود سلفی

إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا (سورۂ اسراء:۹) یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور ان مومنوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری سناتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کے بارے میں ہر طرح کے براہین اور شواہد موجود ہیں کہ یہی ایک کتاب ہے جو اس کے نزول کے پہلے دن سے آج تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا آج تک کوئی دوسرا ایڈیشن نہیں آسکا۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں آج تک کوئی ردو بدل نہ کرسکا۔ یہی وہ کتاب ہے کہ ہر زبان ونسل کے انسانوں کے پاس دنیا کے ہر کونے وہر گوشے میں اس کی عبارت میں، اس کے اجزاء میں، اس کی سورتوں وآیتوں میں کسی طرح کا ذرہ برابر فرق نہیں نکالا جاسکتا۔ سچ ہے یہ اللہ کا کلام ہے اور اسی کا فرمان اس قرآن میں ہے: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (سورہ فصلت:۴۲) باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ (کتاب عزیز) ہے۔

اس قرآن مجید کے ساتھ امت کا لگاؤ بہت ہے۔ اس کو عزت کے ساتھ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اپنے بچوں کو ہدیہ کرتے ہیں، اپنے مریضوں پر اس کو پڑھ کر دم کرتے ہیں۔ اس کو پڑھوا کر اس کا ثواب مردوں تک پہنچانے کا بے جا عمل بھی کرتے ہیں۔ بچے یاد کر کے حافظ بنتے ہیں۔ رمضان میں ختم قرآن پر شیرینی بھی تقسیم ہوتی ہے۔ لیکن جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل فرمایا اس کی طرف بہت کم توجہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (سورہ ص:۲۹) یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے، جو (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل وفکر والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔

مسلمانوں نے اللہ کی کتاب پر تدبر اور غور کرنا چھوڑ دیا۔ یہ وہی کتاب عزیز ہے جس کو سن کر لوگ مسلمان ہو رہے تھے۔ یہ وہی کتاب ہے جس کا چلتا پھرتا نمونہ واسوہ محمد ﷺ کی ذات گرامی تھی۔ صحابہ جانتے تھے کہ اس کا ایک ایک حرف اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ کا فرمان ہے: ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ہیں، مگر کب! جب ہمارا اس پر صحیح ایمان ہو اور ہمارا دل مردہ نہ ہو گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا تھا کہ گزشتہ آسمانی کتابوں کو ماننے والوں کی طرح نہ ہو جانا، جیسا کہ

فرمایا:أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ (سورہ حدید:۱۶) کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔

امت محمدیہ کے اولین لوگ صحابہ کرام اسی قرآن پر عمل کرتے تھے۔ان کا ایمان اسی قرآن سے تروتازہ تھا۔وہ اس کی آیتوں پر تدبر وغور وفکر کرتے تو خشیت الٰہی سے آنکھ سے آنسو نکل آتے۔یہ ان کے دلوں کا نور وسکون تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف خود بیان فرمایا ہے:إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (سورہ انفال:۲) جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کے عجائب وایجادات ختم ہونے والے نہیں۔یہ ایک ایسے علم کا سمندر ہے جس کے تہ کو سر نہیں کیا جا سکتا۔جس قدر اس میں غور وتدبر کیا جائے نئی نئی باتیں ملتی جائیں گی۔دنیا کی پوری ریسرچ اور سائنس کی ایجادات اس کے ایک بھی بیان کو غلط ثابت نہ کر سکیں۔اس کے مواعظ سے دل کو جلا ملتی ہے۔اس کی تلاوت وترتیل سے انسان کو سکون ملتا ہے۔اس کا انداز معجزانہ ہے۔اس کے الفاظ کی ترکیب محکمانہ ہے۔اس کے بلاغت وسلاست سب کتابوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔حقیقت ہے:كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ. (سورہ ہود:۱) یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی آتیں محکم کی گئی ہیں پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ایک حکیم باخبر کی طرف سے ہے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت قرآن کے مفہوم ومعانی اور اس کے احکام سے منہ موڑے ہوئے ہے۔ اللہ کا فرمان برحق ہے:تَنزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ. بَشِيراً وَنَذِيراً فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (فصلت:۲-۳) رحمٰن ورحیم کی طرف سے نازل کتاب ہے جس کی آیتیں عربی زبان میں علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، جو بشارت بھی سناتا ہے اور خوف بھی دلاتا ہے، پھر بھی ان کی اکثریت نے منھ پھیر لیا اور سنتے ہی نہیں۔

مسلمانو! قرآن مجید وہ کتاب ہے جو اسلام کی بنیاد ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ اس قرآن کے چلتے پھرتے نمونہ تھے۔ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق وروزمرہ کے حالات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ کا جواب یہی تھا: كان خلقه القرآن. کہ قرآن مجید ہی آپ کا اخلاق تھا۔اسلام کی تعلیمات اسی قرآن مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر محیط ہیں۔یہی نجات کا راستہ اور صراط مستقیم کو پانے کا مضبوط مرجع ومصدر ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: لن تضلوا ما تمسکتم بھما. جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اور اللہ کا حکم ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (حشر:۷) جو کچھ رسول دیں لے لو اور جن سے منع کریں تو رک جاؤ۔

آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا اور آپ نے اس کی تشریح اپنی احادیث سے بیان فرمائی ہے۔ دین کے تمام جزوی مسائل کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ دونوں کو پڑھے، سمجھے اور ان پر عمل کرے اور سچا مسلمان بنے۔ اسی میں عزت وکامرانی ہے اور دنیا وآخرت کی نجات ہے۔

اللہ ہم مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کا سچا ماننے والا بنائے اور قرآن کی ہدایات پر عمل کی توفیق بخشے، آمین۔

☆☆☆

درس حدیث

ماہِ شعبان کی فضیلت اور مروجہ بدعات

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ

عَنْ أُسَامَةَ بْنُ زَيْدٍ رضى الله عنه، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَمْ أَرَكَ تَصُومُ شَهْرًا مِنَ الشُّهُورِ مَا تَصُومُ مِنْ شَعْبَانَ؟ قَالَ: ذَلِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيهِ الْأَعْمَالُ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ.

(سنن نسائی، حدیث نمبر: 2357، مسند احمد، حدیث نمبر: 21753) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے)۔

ترجمہ:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو کسی مہینے میں اتنا روزہ رکھتے نہیں دیکھا جتنا آپ شعبان میں روزہ رکھتے ہیں۔ (اس کی کیا وجہ ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ مہینہ ہے کہ رجب اور رمضان المبارک کے درمیان آنے کی وجہ سے لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں، حالانکہ یہ وہ مہینہ ہے کہ اس میں رب العالمین کے ہاں انسانوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے عمل پیش ہوں تو میں روزے سے رہوں۔

راوی حدیث:

ان کا پورا نام اسامہ بن زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی رضی اللہ عنہ ہے، کنیت ابو محمد اور ابو زید ہے۔ آپ کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ والدہ ام ایمن تھیں جن کا نام برکہ تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے والوں میں سے تھیں اور نبی ﷺ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی لونڈی تھیں۔ آپ کو "حِبّ رسول الله" (یعنی رسول اللہ ﷺ کے محبوب) اور "ابن حِبّ رسول الله" (محبوب کے بیٹے) کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ یہ اعزاز انہیں اور ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا۔ نبی کریم ﷺ ان سے بے حد محبت فرماتے تھے اور انہیں اپنے بچوں کی طرح چاہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے قبل انہیں ایک لشکر کا امیر مقرر کیا تھا جو رومیوں کے خلاف بھیجا جانا تھا، جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی شامل تھے، لیکن یہ لشکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے باعث روانہ نہ ہو سکا، پھر خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی اس لشکر کو روانہ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات کے وقت آپ کی عمر بیس (20) سال تھی اور ایک قول کے مطابق اٹھارہ (18) سال تھی اور وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں سنہ 54 ہجری کو مدینہ منورہ کے مقام 'جرف' میں ہوئی۔ (مرعاۃ المفاتیح 2/395، الاستیعاب 1/75، الاصابہ فی تمیز الصحابہ 1/102)

<u>تشریحِ حدیث:</u>

ماہِ شعبان اسلامی سال کا آٹھواں مہینہ ہے، جو رمضان المبارک سے پہلے آتا ہے۔ اس مہینے کی خاص فضیلت احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہے اور نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں بھی اس کا خاص اہتمام ملتا ہے۔ تاہم اس مہینے میں بعض ایسی بدعات بھی شامل کر دی گئی ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہیں۔ حدیث بالا میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ شعبان کے مہینے میں خصوصی طور پر روزے کیوں رکھتے ہیں؟ تو نبی کریم ﷺ نے اس کے تین اہم اسباب بیان فرمائے:

پہلا سبب: شعبان وہ مہینہ ہے جس میں لوگ غفلت برتتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شعبان کا مہینہ رجب (حرمت والا مہینہ) اور رمضان (روزے اور مختلف عبادتوں والا مہینہ) کے درمیان آتا ہے، اس لیے لوگ اس کی اہمیت کو کم سمجھتے ہیں اور اس میں نیک اعمال کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس غفلت کو دور کرنے کے لیے اپنے عمل سے اس میں کثرت سے روزے رکھنے کی ترغیب دی۔

دوسرا سبب: شعبان میں اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس مہینے میں انسان کے سال بھر کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ چونکہ اس وقت ہمارے اعمال اللہ کے حضور پیش ہو رہے ہوتے ہیں، اس لئے آپ ﷺ پسند فرماتے تھے کہ آپ کے اعمال اس حال میں پیش ہوں کہ آپ روزے سے ہوں، کیونکہ روزہ تقویٰ اور اخلاص کی علامت ہے۔

تیسرا سبب: شعبان میں نفلی روزوں کا اہتمام:

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شعبان میں روزے رکھنا مستحب ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ خود بھی اس مہینہ میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے: عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، عَنْ صِيَامِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: "كَانَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ: قَدْ صَامَ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ: قَدْ أَفْطَرَ، وَلَمْ أَرَهُ صَائِمًا مِنْ شَهْرٍ قَطُّ أَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهِ مِنْ شَعْبَانَ، كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ، كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ إِلَّا قَلِيلًا. (صحیح مسلم: 1156) ابوسلمہ بیان کرتے ہیں، میں نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ مسلسل روزے رکھتے حتی کہ ہم کہتے: آپ ﷺ روزے ترک نہیں کریں گے اور آپ ﷺ روزے چھوڑ دیتے حتی کہ ہم کہتے آپ ﷺ

روزے نہیں رکھیں گے اور میں نے آپ ﷺ کو کسی اور مہینے میں شعبان کے روزوں کی نسبت زیادہ روزے رکھتے نہیں دیکھا، آپ ﷺ گویا پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے، محض چند دن چھوڑ کر آپ ﷺ پورا شعبان روزے رکھتے تھے۔

ماہِ شعبان کی فضیلت:

ماہِ شعبان کے بارے میں قرآن میں کوئی خاص آیت تو موجود نہیں لیکن عمومی طور پر عبادات، استغفار اور نیک اعمال کی ترغیب دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (سورۃ آل عمران: 133) اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

چونکہ ماہِ شعبان نیکیوں کی تیاری کا مہینہ ہے، اس لیے اس میں نفلی عبادات صیام وقیام، تلاوتِ قرآن، صدقات وخیرات اور ذکر واذکار کا اہتمام کرنا چاہیے، تاکہ رمضان المبارک کے لیے روحانی تیاری ہو سکے، نبی ﷺ خود اس کا اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری (1970) میں ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ شَهْرًا أَكْثَرَ مِنْ شَعْبَانَ، فَإِنَّهُ كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ. عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ شعبان سے زیادہ اور کسی مہینہ میں روزے نہیں رکھتے تھے، شعبان کے پورے دنوں میں آپ ﷺ روزہ رکھتے تھے (یعنی اکثر دنوں میں)۔

کیونکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں سال بھر کے اعمال اللہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔

ماہِ شعبان میں کی جانے والی بدعات:

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ شعبان کی فضیلت کو بنیاد بنا کر بہت سی بدعات اور غیر ثابت شدہ عبادات اس مہینے میں رائج کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱- پندرہ شعبان کے دن روزہ رکھنا لازمی سمجھنا

بعض لوگ 15 شعبان کا روزہ رکھنے کو واجب اور لازم سمجھتے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے شعبان کے عمومی روزوں کی ترغیب دی ہے، کسی خاص دن کی نہیں۔ شعبان میں کثرت سے روزے رکھنا سنت ہے، لیکن 15 شعبان کو لازمی روزہ رکھنا ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص نفلی روزے رکھ رہا ہو جیسے ہر قمری ماہ میں ایام بیض (13، 14، 15 تاریخ) کا روزہ، ہر ہفتہ سوموار اور جمعرات کا روزہ وغیرہ، اس دوران اگر 15 شعبان کا روزہ بھی آ جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اسے خاص فضیلت سمجھنا درست نہیں۔

۲- پندرہ شعبان کی رات (شب برات) میں مخصوص عبادات کرنا اور جشن منانا

بہت سے مسلمان 15 شعبان کی رات (شبِ برات) کو اجر و ثواب، مغفرت اور بخشش کی خاطر شبِ برات کی 100 رکعات نفلی نماز پڑھتے ہیں، حلوہ پکاتے ہیں، آتش بازی کرتے ہیں اور جشن مناتے ہیں حالانکہ یہ سب چیزیں بدعات ہیں کیونکہ یہ اعمال کتاب وسنت اور سلف صالحین سے ثابت نہیں ہیں اور اس کے لیے وہ بعض ضعیف منکر حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جنہیں محدثین نے سخت ضعیف قرار دیا ہے اور ان سے استدلال کو باطل گردانا ہے اور عبادت کے ہر کام کو کتاب وسنت کے نصوص اور نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دینا چاہیے، کیونکہ جو بھی عبادت اس کے برخلاف ہوگی وہ سب اللہ کے نزدیک مردود اور غیر مقبول ہوگی جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ (صحیح مسلم: 1718) جس نے کوئی ایسا عمل کیا، جس پر ہماری لائی ہوئی شریعت کی کوئی دلیل نہیں ہے، تو وہ مردود ہے۔

۳- پندرہ شعبان کی رات (شبِ برات) کو بخشش کی رات سمجھنا اور قبرستان جانا

بہت سے لوگ اس رات کو مخصوص طور پر قبرستان جاتے ہیں، وہاں خوب چراغاں کرتے ہیں اور اپنے فوت شدہ رشتہ داروں کے لیے خاص طریقے سے دعائیں کرتے ہیں، جو کہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے ثابت نہیں۔ نبی کریم ﷺ کبھی کبھار قبرستان جاتے تھے اور وہاں مدفون مسلمانوں کے لیے دعا فرماتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے کسی خاص رات میں جانے کی تاکید نہیں کی۔ اگر کوئی شخص عام دنوں میں قبرستان جانا چاہے تو جا سکتا ہے، لیکن 15 شعبان کو لازم سمجھنا بدعت ہے۔

حدیث سے مستنبط مسائل:

۱- ماہِ شعبان میں زیادہ سے زیادہ روزے رکھنا مستحب ہے۔

۲- ماہِ شعبان میں انسان کے سال بھر کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

۳- ماہِ شعبان ہی سے رمضان میں نیک اعمال کرنے کی تیاری کرنی چاہیے۔

۴- 15 شعبان کی رات (شبِ برات) کو کوئی مخصوص عبادت یا جشن منانا سنت سے ثابت نہیں۔

۵- بدعات سے اجتناب کرنا چاہیے اور دین کو اسی طرح اپنانا چاہیے جیسے نبی کریم ﷺ نے سکھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عنایت فرمائے اور ہمیں ہر بدعت سے محفوظ رکھے۔ آمین!

☆☆☆

اسلام آمیزش سے پاک ایک صاف ستھرا دین ہے

مدیر

اسلام منزل من اللہ، ہرطرح کی آمیزش سے پاک ،ایک صاف ستھرا اور سہل وآسان دین ہے اس کی تعلیمات پر عمل کرنا اور اس کے احکام وفرامین کو بجالانا بالکل ہی آسان ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تركتكم على المحجة البيضاء ليلها كنهارها لا يزيغ عنها بعدي إلا هالك (ابوداؤد:4607والترمذی: 2676وابن ماجہ:42)
میں تمہیں روشن شاہراہ پر چھوڑ کر جارہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن اور واضح ہے اس راہ سے وہی بھٹک سکتا ہے جس کی ہلاکت یقینی ہو۔

قرآن مقدس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام:153)اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو . حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے بڑی اچھی بات لکھی ہے آپ فرماتے ہیں: صراط مستقیم کو واحد کے صیغے سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی، یا قرآن کی، یا رسول اللہ ﷺ کی راہ ایک ہی ہے۔ایک سے زیادہ نہیں اس لئے پیروی صرف اسی ایک راہ کی کرنی ہے کسی اور کی نہیں۔یہی ملت مسلمہ کی وحدت واجتماع کی بنیاد ہے۔جس سے ہٹ کر یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے۔حالانکہ اسے تاکید کی گئی ہے کہ دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی۔دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أن اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه (الشوریٰ:13) دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو گو اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔اسی بات کو حدیث میں نبی ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔

اور چند خطوط اس کے دائیں اور بائیں جانب کھینچے اور فرمایا یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جو زیر وضاحت ہے (مسند احمد، جلد/1 ،ص465،435۔احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے دیکھئے مسند احمد بہ تعلیق احمد شاکر 4142) بلکہ ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے کہ دو دو خط داہنے اور بائیں کھینچے۔یعنی کل چار خطوط کھینچے اور انہیں شیطان کا راستہ بتلایا۔(تفسیر احسن البیان ص/ 401 ،402) بلاشبہ

روشن شاہراہ وہی ہوسکتا ہے جس کی رہنمائی اللہ اور رسول نے کی ہے اللہ ہی کی ذات ہے جو اپنے بندوں کو تاریکیوں ضلالتوں اور شیطان کی راہوں سے نکال کر دین کے نور کی طرف لاتا ہے ارشاد ربانی ہے: **اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ** (البقرۃ:257)

اللہ ایمان والوں کا حامی و مددگار ہے وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو لوگ کفر کیے ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں یہ آگ کے ساتھی ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تاریکیاں دراصل مختلف ہوتی ہیں، کفر کی تاریکی، شرک کی تاریکی، بدعات اور جہالت کی تاریکی لیکن ان کے مقابلے میں روشنی ایک ہی ہے وہ ہے دین اور ایمان کی روشنی دین اور ایمان کی روشنی کے ہوتے ہوئے تاریکی اپنی جگہ نہیں بنا سکتی۔ اسی لئے اللہ تعالی نے کتاب وسنت کے احکام کی پیروی کر کے ایمان کو مضبوط کرنے کی تاکید کی ہے ارشاد ربانی ہے: **وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله إن الله شديد العقاب** (الحشر:7) اور جو تم کو رسول دیں اسے لے لو اور جس سے تم کو منع کردیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالی سخت عذاب والا ہے۔ اور ارشاد فرمایا: **لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الاخر وذكر الله كثيرا** (الاحزاب:21) یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں عمدہ نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالی کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالی کو یاد کرتا ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں رقمطراز ہیں یہ آیت کریمہ اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ حکم عام ہے یعنی آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کی اقتداء ضروری ہے چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے معیشت سے یا سیاست سے زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں (تفسیر احسن البیان ص/ 1172) ارشاد ربانی ہے: **فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم** (النور/ 63) جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔ تفسیر احسن البیان کے مفسر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''اس آفت سے مراد دلوں کی وہ کجی ہے جو انسان کو ایمان سے محروم کردیتی ہے یہ نبی ﷺ کے احکام سے سرتابی اور ان کی مخالفت کرنے کا نتیجہ ہے اور ایمان سے محرومی اور کفر پر خاتمہ جہنم کے دائمی عذاب کا باعث ہے - جیسا کہ آیت کے اگلے جملے میں فرمایا - پس نبی ﷺ کے منہاج، طریقے اور سنت کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیے - اس لئے کہ جو اقوال واعمال اس کے

مطابق ہوں گے، وہی بارگاہ الٰہی میں مقبول اور دوسرے سب مردود ہوں گے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد (البخاری -،كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور، ومسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور -والسنن) جس نے ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے پر نہیں ہے وہ مردود ہے"۔(احسن البیان:۹۹۲)

صحابہ کرام خلفاء عظام اور سلف اور اہل سنت کی پیروی کا حکم بھی قرآن مقدس کے اندر واضح انداز میں وارد ہوا ہے ارشاد ربانی ہے: وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ(التوبۃ:100)

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کی پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: إنه من يعِشْ منكم فسيرى اختلافًا كثيرًا، فعليكم بسنتي وسنةِ الخلفاءِ الراشدين المهديّين، عَضّوا عليها بالنواجذِ، وإياكم ومحدثاتِ الأمورِ فإنَّ كلَّ بدعةٍ ضلالة (أخرجه أبوداود:4607، وأحمد:17185)

تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ اختلاف دیکھے گا پس تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا ان کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا دین میں نئے نئے کام بدعات ایجاد کرنے سے بچنا اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے، اللہ کے رسول ﷺ ہر خطبہ میں یہ ارشاد فرماتے تھے: أما بعد !فإن خيرَ الحديثِ كتابُ اللهِ وخيرَ الهديِ هديُ محمدٍ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ وشرَّ الأمورِ محدثاتُها وكلَّ بدعةٍ ضلالةٌ.(رواه مسلم:867)

بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور بدترین امور بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ان نصوص شرعیہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام ایک منزل من اللہ دین ہے اس کے تمام احکامات وفرامین اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اس میں کسی قسم کی کوئی خارجی آمیزش وملاوٹ نہیں ہے اس لیے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس صاف ستھرے دین اور اس کی واضح تعلیمات کی پیروی کریں دین میں کسی قسم کی خارجی ملاوٹ سے اور نو ایجادات امور محدثات بدعات سے اجتناب کریں -بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اس دین میں بہت ساری بدعات و محدثات اور نو ایجادات امور کو داخل کر دیا ہے جس کی وجہ سے دین کا مجلی ومصفی چہرہ داغدار بن گیا ہے جب کہ اللہ کے نبی ﷺ کو بھی اس منزل من اللہ دین خالص کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے: اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن

رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (الاعراف:۳)

تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

اسلام میں بدعات وخرافات محدثات اور غیر شرعی رسوم وعادات کی قطعی گنجائش نہیں ہے اسلام ایک مکمل دین ہے اس کے اندر نہ کوئی چیز داخل کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی چیز اس سے خارج کی جاسکتی ہے ارشاد ربانی ہے: أليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا (المائدہ:۳) ''آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھر پور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا''۔ دین کو مکمل کرنے اور نبی کریم ﷺ پر وحی ورسالت کے ختم ہو جانے کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نئی شریعت نئے احکام نازل نہیں ہوں گے اب دین کے مکمل ہو جانے کے بعد ایک بدعتی دین کے اندر کوئی نئی چیز داخل کرے تو کیا وہ دین ہوسکتا ہے کیا دین میں کچھ ملاوٹ کرنے کی گنجائش ہے؟

قطعی نہیں بلکہ اہل بدعت میدان محشر میں حوض کوثر سے پینے سے محروم ہوں گے اللہ کے رسول ﷺ ان کو پہچان کر انہیں اپنے پاس سے دور کر دیں گے اور آپ ہی ساقی کوثر ہونگے ارشاد نبوی ہے: إني فرطكم علي الحوض من مر علي شرب ومن شرب لم يظمأ أبدا ليردن علي أقوام أعرفهم ويعرفوني ثم يحال بيني وبينهم (بخاری: ۶۵۸۳ ومسلم: ۲۲۹۰) میں قیامت کے دن حوض پر تمہارا پیش رو (پہلے جانے والا) ہوں گا جو میرے پاس سے گزرے گا اس کا پانی پیے گا اور جو پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا وہاں کچھ لوگ میرے پاس آرہے ہوں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر ان کو روک دیا جائے گا اور میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب ان کو روک دیا جائے گا تو نبی ﷺ فرشتوں سے کہیں گے: إنهم مني فيقال أنك لا تدري ما أحدثوا بعدك فأقول سحقا سحقا لمن غير بعدي (بخاری 6212 ومسلم 2290)

یہ تو میری ہی امتی معلوم ہوتے ہیں تو کہا جائے گا بلاشبہ یہ آپ ہی کے نام لیوا ہیں لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی چیزیں دین میں ایجاد کیا یہ سن کر میں کہوں گا دوری ہو دوری ہو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلیاں کر دیں۔

ماہ شعبان میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہے یہ ہم سب کے سامنے ہے بہت سارے مسلمان چراغاں کرتے ہیں پٹاخے بجاتے قبرستان سجاتے اور بے شمار بدعی وغیر شرعی رسوم وعادت کا ارتکاب کرتے ہیں اور غیر شرعی اعتقاد رکھ کر دین کی دھجی اڑاتے ہیں۔ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ ان حالات کا رونا روتے ہوئے رقمطراز ہیں: شعبان کی پندرہویں رات کو اور بھی بعض کام ایسے کیے جاتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں جیسے حلوے مانڈوں کا خصوصی اہتمام لوگوں کا خیال ہے کہ اس روز

مردوں کی روحیں آتی ہیں حالانکہ یہ عقیدہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ اگر دنیا سے جانے والے اللہ کے نافرمان ہیں تو وہ اللہ کے ہاں قیدی ہیں، وہ اللہ کی قید سے نکل کر آ ہی نہیں سکتے اور اگر وہ نیک تھے تو وہ اللہ کے ہاں مہمان ہیں اور اللہ نے ان کے لیے جنت میں بہترین نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ جنت کی اعلی اور لذیذ ترین نعمتیں چھوڑ کر دنیا میں کس طرح آئیں گے؟ یعنی کسی لحاظ سے بھی روحیں دنیا میں نہیں آسکتیں اسی طرح اس رات کو چراغاں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور خوب آتش بازی کی جاتی ہے حالانکہ یہ بھی مشرک قوموں کا شعار ہے مجوسیوں میں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ خوشی کے موقع پر آتش بازی اور چراغاں کرتے ہیں ان کا یہ طریقہ ہندوؤں نے اپنایا اور ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی اس بے ہودہ رسم کو اختیار کر لیا (مسئلہ رویت ھلال اور ۱۲ اسلامی مہینے از حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ ص ۳۳۵)

بلا شبہ مسلمانوں کا یہ رویہ نہایت ہی افسوسناک ہے ہم ایسی قوم ہیں کہ دنیا کو ہم سے روشنی ملتی ہے ہم ہی خالص اور منزل من اللہ دین کے علمبردار ہیں لیکن افسوس کہ ہم غیروں سے متاثر ہو کر ان کے بے جا اعمال وحرکات اپنا کر فخر محسوس کر رہے ہیں اللہ ہمیں اصل دین محمدی کا پیروکار بنائے اور اسی دین کی دعوت دینے کی توفیق عنایت فرمائے آمین ثم آمین۔

☆☆☆

استقامت وثبات قدمی کے دس قاعدے

ترجمہ: محمد محبّ اللہ بن محمد سیف الدین المحمدی

راہ استقامت وثبات قدمی ہماری زندگی کا شمع نور ہے۔ راہ استقامت پر قائم رہنے کا مطلب ہے کہ پوری ثابت قدمی کے ساتھ اسلام کے اوامر ونواہی پر جمے رہے، استقامت کمال ایمان کی علامت ہے، اس لئے اس مرتبہ پر بہت ہی کم لوگ پہنچ پاتے ہیں کیونکہ یہ مشکل امر ہے۔ استقامت اور میانہ روی کا راستہ دشوار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

(جامع الترمذی، تفسیر القرآن، حدیث: 3297)

کیونکہ اس سورت کی آیت نمبر 112 میں آپ کو استقامت کا حکم دیا گیا ہے یہ ایسی ذمے داری تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کر دیا ہے۔

اس لیے حدیث میں ایک دوسری صورت بتائی گئی ہے کہ اگر پورے طور پر سداد اور استقامت حاصل نہ ہو تو کم از کم اس کے قریب قریب تو رہو۔

اسی طرح عمل کی توفیق پر خوش ہو جاؤ اور یہ خوشی صرف استقامت ہی میں نہیں بلکہ اس کے قریب رہنے سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ بشارت حوصلہ بڑھانے کا ایک طریقہ ہے۔ اس سے عابد وزاہد کی ہمت بلند ہوتی ہے اور اس کے عزم میں ایک نیا ولولہ اور نئی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ استقامت وثبات قدمی اختیار کرنے میں دنیا وآخرت کی سعادت اور کامیابی ہے، لہٰذا جسے دنیا وآخرت کی سعادت اور فائز المرامی کا شوق ہو وہ استقامت اختیار کرنے کیلئے سعی پیہم اور جہد مسلسل کرے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب بھی وہ قرآن کی اس آیت: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ. (فصلت: ۳۰) کی تلاوت کرتے تھے تو نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ دعاء کرتے تھے اے اللہ تو ہمارا رب ہے لہٰذا ہمیں استقامت کی نعمت عطا فرما۔ (أخرجه الطبری فی جامع البیان 20/425)

آیئے ذیل کے سطور میں شیخ عبد الرزاق البدر حفظہ اللہ کی کتاب (عشر قواعد فی الاستقامة) سے ملخصاً استقامت کے کچھ قواعد بیان کرتے ہیں۔

پہلا قاعدہ: استقامت وثبات قدمی الٰہی انعام اور ربانی تحفہ ہے۔ یعنی استقامت، عزیمت وثبات قدمی اللہ تعالیٰ کا خاص انعام واکرام ہے۔ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی اور توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا صدق دل سے

اخلاص وسچائی کے ساتھ رب تعالیٰ سے استقامت طلب کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت ساری آیتوں میں سیدھے اور صحیح راہ کی ہدایت دینے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، ہر چیز پر اللہ قدرت رکھتا ہے اللہ کے ہی ہاتھ میں بندے کا دل ہے جس بندہ کے دل کو سیدھا رکھنا چاہتا ہے رکھتا ہے اور جس بندہ کے دل کو ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔یعنی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔لیکن اس کا یہ فیصلہ یوں ہی الل ٹپ نہیں ہوجاتا بلکہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے، گمراہ اسی کو کرتا ہے جو خود گمراہی میں پھنسا ہوتا ہے اور اس سے نکلنے کی وہ سعی کرتا ہے نہ نکلنے کو وہ پسند ہی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر فرمایا:

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَـٰرِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا، وَإِذًا لَّـَٔاتَيْنَـٰهُم مِّن لَّدُنَّآ أَجْرًا عَظِيمًا. وَلَهَدَيْنَـٰهُمْ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا. (النساء۶۶-۶۸)

اگر ہم ان پر یہ فرض کردیتے ہیں کہ اپنی جانوں کو قتل کرڈالو! یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ! تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ حکم بجالاتے اور اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لئے بہتر اور زیادہ مضبوطی والا ہو، اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں۔اور یقیناً انہیں راہ راست دکھادیں۔

وَاللَّهُ يَدْعُوٓا إِلَىٰ دَارِ السَّلَـٰمِ وَيَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ (یونس:۲۵)

اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِـَٔايَـٰتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِى الظُّلُمَـٰتِ مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ. (الانعام:۳۹)

اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو طرح طرح کی ظلمتوں میں بہرے گونگے ہورہے ہیں اللہ جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگادے۔

لَّقَدْ أَنزَلْنَآ ءَايَـٰتٍ مُّبَيِّنَـٰتٍ وَاللَّهُ يَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ (النور:۴۶)

بلاشبہ ہم نے روشن اور واضح آیتیں اتاردی ہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہے سیدھی راہ دکھادیتا ہے۔

صراط مستقیم (سیدھا اور درست راستہ جس میں کجی اور ٹیڑھاپن یا اونچ نیچ نہ ہو) کی طرف ہدایت رب تعالیٰ ہی کرتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے اس نعمت سے نوازتا ہے۔کسی انسان کی قدرت واختیار میں نہیں کہ وہ کسی کو جنت پہنچادے یا کسی کا ٹھکانہ جہنم بنادے۔نہ کسی ولی نہ نبی نہ پیر نہ مرشد۔سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فقیر ومحتاج ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعاء کرتے تھے۔ يامقلِّبَ القلوبِ ثَبِّتْ قلبي على دينك ۔ اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اے اللہ کے رسول کیا دل بھی الٹتی پلٹتی ومتغیر ہوتی رہتی ہے۔تو اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اے ام سلمہ! کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جس کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے اس کی دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو،تو اللہ جسے چاہتا ہے (دین حق پر) قائم وثابت قدم رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کا دل ٹیڑھا کردیتا ہے۔(رواہ الترمذی فی جامعہ أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ . بَابُ دُعَاءِ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ،3522)

صحیح مسلم کی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا:

بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ اللَّهُمَّ رَبَّ جَبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ.

(أخرجه مسلم فی صحيحه، كِتَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا .بَابُ الدُّعَاءِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ وَقِيَامِهِ، 770)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لئے اٹھتے تھے تو کس چیز کے ساتھ نماز کا آغاز کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: جب آپ رات کو اٹھتے تو نماز کا آغاز (اس دعا سے) کرتے:"اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والے! پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے! تیرے بندے جن باتوں میں اختلاف کرتے تھے تو ہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائیگا۔،جن باتوں میں اختلاف کیا گیا ہے تو ہی اپنے حکم سے مجھے ان میں سے جو حق ہے اس پر چلا، بے شک تو ہی جسے چاہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ "

غور طلب بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب جب قیام اللیل کرتے تو نماز کی ابتداء میں کہتے تھے کہ: اے اللہ تو ہی ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف چلنے کی توفیق عطاء کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم یعنی درست وصواب راہ کی ہدایت پانے کا سوال کرنا مسلمان کا مقصد اور مطلب ہونا چاہیے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر واجب کیا ہے کہ وہ اللہ سے صراط مستقیم پر چلنے اور سیدھے راستے پر استقامت وثبات قدمی کے لئے دن رات میں متعدد بار دعاء کریں۔ اور اس کا حکم سورۃ فاتحہ میں موجود ہے۔اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ،یعنی ہمیں سچی اور سیدھی راہ دکھا،ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ان کا نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کا۔

بعض اہل علم نے کہا کہ عوام کو متنبہ کیا جانا چاہئے کہ(اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) یہ دعاء ہے۔آپ جب اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کہتے ہیں تو آپ اللہ سے دعاء کرتے ہیں۔یہ دعاء لیل ونہار 17 بار آپ فرض نمازوں کی ہر رکعت میں

پڑھتے ہیں۔ اسلئے کہ مسلمان کو چاہئے کہ وہ یہ احساس اپنے دلوں میں پیدا کریں کہ یہ انتہائی اہم دعاء ہے اور اس کی ہمیشہ ضرورت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے سب سے زیادہ نفع بخش دعاء پر غور خوض کیا تو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے مدد طلب کرنا ہے پھر میں نے دیکھا کہ سورہ فاتحہ میں یہ دعاء موجود ہے۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ اور ایک جگہ آپ کہتے ہیں کہ بندے کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم پر استقامت وثبات قدمی کی ہدایت کے لئے دعاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دیکھئے۔ مدارج السالکین لابن القیم 1/78، اقتضاء الصراط المستقیم 1/83۔

دوسرا قاعدہ: استقامت کی حقیقت وماہیت سیدھے اور صواب راستے وصحیح اور مضبوط منہج کو لازم پکڑنا ہے۔

استقامت کی حقیقت کی معرفت کے لئے صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے اقوال وآراء وارشادات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور استقامت وثبات قدمی کا صحیح معنی ومفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (فصلت:۳۰) اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کے ساتھ شرک وکفر نہیں کیا۔

۲- عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو منبر پر پڑھا اور کہا کہ رب تعالیٰ کی قسم استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہوگئے، اور لومڑیوں کی طرح اِدھر سے اُدھر دوڑتے نہ پھریں۔

۳- عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ۔ جن لوگوں نے لا الہ الا اللہ کے معانی ومفاہیم تقاضے وشروط کو تسلیم کیا اور اس پر عمل پیرا ہوئے وہی لوگ استقامت وثبات قدمی والے ہیں۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ استقامت سے مراد یہ ہے کہ آپ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں بلکہ فرائض کے قیام کیلئے ہمیشہ ڈٹے اور جمے رہیں۔

۴- ابوالعالیہ رحمہ اللہ نے استقامت کا مفہوم بیان کیا کہ وہ لوگ جو مکمل اخلاص ورضاء الٰہی کے ساتھ صحیح دین پر چلے اور عمل کیا۔

۵- قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ نے کہا کہ استقامت وثبات قدمی یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی پر جم جایئے اور اس میں ٹال مٹول وحیلہ سازی نہ کیجئے۔

ابن رجب رحمہ اللہ نے یہ سارے اقوال جامع العلوم والحکم میں ذکر کرنے کے بعد استقامت کی تعریف یوں بیان کیا ہے: والاستقامة هى سلوك الصراط المستقيم، وهى الدين القيم من غير تعريج عنه يمنةً ولا يسرةً، ويشمل ذلك فعل الطاعات كلها، الظاهرة والباطنة، وترك المنهيات كلها كذلك .

یعنی استقامت کا مفہوم یہ ہے کہ اُس واضح راستے پر، مضبوطی کے ساتھ سیدھا سیدھا دائیں بائیں مڑے یا کسی

بھی طرف مائل ہوئے بغیر چلا جائے اور وہ راستہ (اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف سے) قائم شدہ دین ہے، اور اس دین میں (اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف سے حکم کیے گئے) ہر کام کو ظاہری اور باطنی طور پر کرنا اور اسی طرح ہر اُس کام سے باز رہنا شامل ہے جس سے منع کیا گیا۔

اسی طرح ابن القیم رحمہ اللہ نے استقامت کی تعریف یوں بیان کیا ہے: فالاستقامة كلمة جامعة، آخذةٌ بمجامع الدين، وهي القيام بين يدى الله على حقيقة الصدق، والوفاء.

ترجمہ: لفظ استقامت ایک جامع کلمہ ہے جو دین کے تمام گوشے کو شامل ہے، یعنی صدق و وفا کے ساتھ اور صبر و شکیبائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکمل طور پر شریعت اسلامیہ پر عمل کیا جائے۔ (بحوالہ۔تہذیب مدارج السالکین:)

تیسرا قاعدہ: اصل استقامت دل کی استقامت ہے۔

(دل میں کجروی ہو تو پورا جسم کجروی اور ٹیڑھاپن کا مظاہرہ کرے گا۔)

امام احمد نے مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی آدمی کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کا دل درست نہیں ہوتا۔ (المسند، 13048، وحسنہ الألبانی فی الصحیحۃ 2841)

اصل استقامت یہ ہے کہ انسان کا دل مستقیم ہو۔ (دل میں غلاظت اور کجی نہ ہو) جب دل میں استقامت اور درستگی ہوتی ہے تو سارا جسم بھی درست اور سالم ہوتا ہے اسلئے کہ پورا جسم دل کے تابع ہوتا ہے۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا استقامت وثبات قدمی یہ ہے کہ دل میں توحید مضبوط ہو اور دل توحید پر ثابت قدم رہے۔ لہٰذا جب دل اللہ تعالیٰ کی معرفت، ، خشیت، محبت، امید و توکل پر جم جائے تو جسم کا پورا حصہ دل کا فرمانبردار و مطیع ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت و بندگی پر جم جاتا ہے اس لئے کہ دل اعضاء و جوارح کا بادشاہ ہے اور بدن کے حصے دل (بادشاہ) کے لشکر ہیں اگر بادشاہ صحیح اور سیدھے راہ پر چلے گا اور ثابت قدم رہے گا تو فوج اور رعایا بھی صحیح ہوگی اور ثابت قدم رہے گی۔

(بحوالہ۔جامع العلوم والحکم صفحہ نمبر 386)

صحیحین میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسانی ڈھانچے میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست ہے تو پورا جسم درست ہے، اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو پورا جسم فساد کا شکار ہو جایگا، وہ ٹکڑا انسان کا دل ہے۔

امام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے۔ إغاثۃ اللھفان من مصاید الشیطان کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ! جب یہ بات واضح ہے کہ دل ہی اعضاء و جوارح کیلئے بادشاہ کی طرح ہے جسکی بادشاہت فوج اور رعایا پر ہوتی ہے چنانچہ بادشاہ کا فرمان اور آڈر ہی کے تحت قلمرو چلتا ہے فوج ولشکر سب اس کے ماتحت ہوتے ہیں تو دل جسم کے اعضاء کیلئے حاکم ہے۔ دل ہی سے بدن کے دوسرے حصے ٹھیک ہوتے ہیں یا بگڑتے ہیں۔ دل کے ارادے اور عزائم کے پابند دوسرے

اعضاء جسم ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔سن لو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا سارا بدن درست ہوگا اور جہاں بگڑا سارا بدن بگڑ گیا۔سن لو وہ ٹکڑا آدمی کا دل ہے،

لہٰذا خلاصہ کلام یہ کہ دل ہی مالک ہے اور اسی کی حکومت ہے دیگر اعضاء و جوارح پر۔ دل ٹھیک ہے تو بدن کے دوسرے حصے بھی ٹھیک ہیں، دل کی استقامت کے بغیر کوئی کام صحیح سے انجام نہیں پاتا۔ دل ہی نگراں اور ذمہ دار ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ،جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔لیکن فائدہ والا وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بےعیب دل لے کر جائے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے یہ دعاء بھی ہے۔اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيمًا،اے اللہ میں تجھ سے قلب سلیم مانگتا ہوں۔

چوتھا قاعدہ: بندہ مسلم سے مکمل طور پر استقامت مطلوب ہے اور اگر پورے طور پر سداد اور استقامت حاصل نہ ہو تو کم از کم اس کے قریب قریب تو رہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو یکساں بیان کیا ہے یعنی مکمل طور پر استقامت وثبات قدمی کو لازم پکڑے اور اگر اتنا نہ ہو تو استقامت کے بالکل قریب رہے۔

استقامت کے باب میں سَداد مطلوب ہے اور سداد یہ ہے کہ آپ سنت کو حاصل کریں سنت پر عمل پیرا ہوں۔

عَنْ عَلِيٍّ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُلِ اللهُمَّ اهْدِنِي وَسَدِّدْنِي، وَاذْكُرْ بِالْهُدَى هِدَايَتَكَ الطَّرِيقَ، وَالسَّدَادِ سَدَادَ السَّهْمِ .(رواہ مسلم: 2725)

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں اللہ کے حضور یہ دعا کروں "اے اللہ! میری رہ نمائی فرما اور راہ راست پر چلا۔ "یعنی اے اللہ! میری رہنمائی فرما، مجھے توفیق دے اور تمام امور میں راہ راست پر چلا۔

"الہدیٰ "لفظ کے معنی ہیں: حق کی تفصیلی اور اجمالی معرفت اور ظاہری و باطنی طور پر اس کے اتباع کی توفیق۔

جب کہ "السّداد "لفظ کے معنی ہیں: توفیق اور تمام کاموں میں استقامت کے ساتھ حق پر قائم رہنا۔قول فعل اور اعتقاد میں سیدھے راستے پر گامزن رہنا۔

چوں کہ معنوی چیز محسوس طریقے سے واضح ہوتی ہے، اس لیے یہ دعا کرتے وقت اپنے دل میں اس بات کو مستحضر رکھو کہ تم اس شخص کی طرح ہدایت مانگ رہے ہو، جو سفر پر نکلا ہوا ہو کہ وہ بھٹکنے سے بچنے، اور بسلامت جلدی منزل تک پہنچنے کے لیے ذرا بھی دائیں بائیں منحرف نہیں ہوتا۔

اسی طرح تم تیر چلاتے وقت اس بات کا دھیان رکھتے ہو کہ وہ بہ سرعت صحیح نشانے پر جا لگے۔جب کوئی شخص کسی چیز کو نشانہ بنا کر تیر چلاتا ہے، تو تیر کو بالکل سیدھا رکھتا ہے۔اسی طرح تم اللہ سے کہہ رہے ہو کہ وہ تم کو تیر کی طرح سیدھا رکھے۔اس طور پر تم اپنے سوال میں ہدایت کی انتہا اور راہ راست کے کمال کو مانگنے والے ہو جاؤ گے۔

اللہ سے راہ راست پر قائم رہنے کی دعا کرتے وقت اپنے دل میں اس پس منظر کو مستحضر رکھو، تاکہ راہ راست پر چلتے وقت تم درست نشانے پر چلنے والے تیر کی عملی تصویر بن سکو۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو ہمیشہ ہدایت اور صراط مستقیم کا طلب گار رہنا چاہئے۔

بندہ سے مطلوب ہے کہ وہ ہمہ وقت یہ کوشش کرے کہ وہ سداد(یعنی مکمل استقامت وحق پر چلنے کی) کوشش کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور منہج رسول وسلوک رسول پر عامل ہونے کی سعی کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مکمل استقامت وسداد کے بالکل قریب قریب رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاسْتَقِيمُوٓا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ (فصلت ۶-)،

اس آیت میں استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد استغفار طلب کرنے کا بھی حکم دیا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ سے تقصیر وکمی ضرور بضرور ہوگی چاہے وہ کتنا بھی کوشش کرے۔ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا فَاسْتَقِيمُوٓا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ کہ اس میں اشارہ ہے کہ استقامت کا جو حکم بندہ کو کیا گیا ہے اس میں کمی کوتاہی کا آنا لازمی ہے لہٰذا اس کمی ونقص کی بھرپائی توبہ واستغفار، اور استقامت وثبات قدمی کی طرف رجوع کرنے سے کردی جاتی ہے۔ اس کی مثال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی ہے جو آپ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا تم اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو، اور برائی سرزد ہونے کے بعد نیکی کرو جو برائی کو مٹادے گی، اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے ملو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے کہ لوگ مکمل استقامت وثبات قدمی پر قائم نہیں ہوسکتے ہیں جیسا کہ مسند اُحمد وابن ماجہ میں ہے۔ ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راہ استقامت پر قائم رہو، تم ساری نیکیوں کا احاطہ نہیں کرسکو گے، اور تم جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے، اور وضو کی محافظت صرف مومن کرتا ہے

(دیکھئے مسند الإمام أحمد 22378، وسنن ابن ماجہ 277، وصححہ الألبانی فی إرواء الغلیل 412)

محترم قارئین! زندگی بے بندگی شرمندگی ہے، یہ حقیقت ہے کہ زندگی آمد برائے بندگی ہے۔ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات وارشادات کے مطابق گزارنے کے دوران نفس انسانی ایسی ایسی خواہشات کے چنگل میں گھر جاتی ہے کہ انسان کے قدم لڑکھڑانے کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ تلبیس ابلیس اور شیطان کا بہکاوا اور دنیا کی چمک دمک انسان کو رب کی یاد سے غافل کرنے کا سبب بنتے ہیں اور وہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو کما حقہ ادا کرنے سے قاصر رہنے لگتا ہے، یا ادا نہ کرنے کی روش اپنا لیتا ہے۔ عبادات وطاعات کے نظام میں اسلام نے جس ترتیب اور دوام کا مطالبہ کیا ہے اس میں کچھ ڈھیلا پن اور سستی در آتی ہے۔ عقائد میں گڑبڑی اور معاشرتی زندگی میں خاندان اور معاشرے کے خلاف شریعت کام، غیر شرعی رسوم و رواج کے سامنے اسے سرنڈر کرنے کو کہا جاتا ہے۔ ایسا نہ کرنے پر سماجی ومعاشرتی بائیکاٹ ودوری کی دھمکی دی جاتی ہے، رشتہ

داری توڑ دینے کا خوف دلایا جاتا ہے، بے یارومددگار اپاہج بنا کر چھوڑ دیئے جانے کا شور ہوتا ہے، وقت کے ناروا تقاضوں کو پورا کرنے کا مطالبہ کی جاتی ہے، دین وشریعت پر عمل کرنے کو دقیانوسیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، ماڈرن بننے کا مشورہ دیا جاتا ہے، مولویانہ رنگ کو ذرا کم کرنے کی نصیحت کی جاتی ہے، بدعات وخرافات کا جواز منوانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آج کچھ ایسے ہی حالات اور ماحول ہے۔ ایسے حالات میں مردمومن کی شان یہ ہے کہ وہ استقامت وثبات قدمی کے مفہوم ومعانی اور حقیقت کو سمجھے۔ سلف کے نقش قدم پر چلنا سنت اور شریعت کو حرز جان بنانا اور اسلامی تعلیمات وراہ حق پر جم جانا ہی کامیابی ہے۔ اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دل کو اپنے دین پر جمادے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہدایت دے دینے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی (گمراہی) نہ پیدا کر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ثبات قدمی واستقامت وعزیمت کی دولت سے نوازے۔ فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے اور استقلال، حزم وحکمت سے نوازے آمین۔

(جاری)

☆☆☆

خود را فضیحت دیگر را نصیحت

حضرت ابو زید اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت والے دن آدمی لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا، پس اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی، وہ انہیں اسے لے کر گھومے گا جیسے گدھا چکی میں گھومتا ہے پس اس کے گرد جہنمی جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے اے فلاں تجھے کیا ہوا ہے؟ کیا تو نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا یقیناً (میں وہی ہوں) لیکن (میرا حال یہ رہا) کہ میں لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا اور دوسروں کو تو برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

بعث بعد الموت

نقل وعقل کی روشنی میں

فہیم اختر محمد معین الحق السّلفی

اسلام میں بعث بعد الموت ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کے بارے میں متعدد آیات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ موت کے بعد انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کے تمام اعمال کا حساب وکتاب ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حقیقت کی طرف بار بار اشارہ فرمایا ہے۔ تاہم آخرت اور قیامت کے منکرین ہمیشہ سے یہ راگ الاپتے آئے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی میں سما جائیں گے اور ہمارے وجود کا ہر نشان مٹ جائے گا تو پھر ہمیں دوبارہ زندہ کون کر سکے گا اور کیونکر کرے گا؟

چونکہ اللہ رب العزت عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ماضی اور حال کی طرح مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی چیزوں کو بھی بخوبی جانتا ہے لہذا اس نے اپنے مقدس کلام میں ایسی دلیلیں جابجا ذکر فرمائی ہیں جو عقل سے بالکل ہم آہنگ ہیں تاکہ کسی بھی کج فہم کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہ سکے۔

چنانچہ اس مختصر سے مضمون میں چند دلائل آپ کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں۔

۱- دوسری مرتبہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النشأةَ الأولىٰ فَلَوْلا تَذَكَّرُونَ﴾ (واقعہ:۶۲)

ترجمہ: تمہیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟

یعنی جب تم جانتے ہو اور اس کا اقرار بھی کرتے ہو کہ تمھیں پہلی بار ہم نے ہی پیدا کیا ہے، جب تم کچھ تھے ہی نہیں، تو پھر موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو کیوں کر بعید یا محال سمجھتے ہو جبکہ یہ اللہ کے لئے بہت ہی سہل وآسان ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:﴿ وَهُوَ الَّذِي يَبْدأُ الخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (روم:۲۷)۔

اور وہی وہ ذات ہے جو مخلوق (انسان) کو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر وہی اس کو دوسری مرتبہ لوٹائے گا اور یہ اللہ سبحانہ وتعالی کے لئے بہت ہی آسان ہے۔

انسان جب کوئی نئی چیز ایجاد کرتا ہے تو اس کے ابتدائی مراحل دشوار کن ہوتے ہیں اور بسا اوقات ادھورے ہی رہ جاتے ہیں لیکن دوسرے تیسرے مرحلے کی تخلیق میں بہت نکھار آجاتا ہے یعنی بعد کی تخلیق میں زیادہ عمدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

سو جب مخلوق کا یہ عالم ہے تو پھر خالق کے بارے میں کیا گمان ہے؟؟!!

اسی لئے فرمایا:﴿مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا

كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (لقمان:28)

تمھارا پیدا کرنا اور تمھارا اٹھانا تو محض ایک جان کی طرح ہے۔

۲- بڑی چیز کا بنانے والا چھوٹی چیز با آسانی بنا سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:﴿أوَ لَيْسَ الّذِىْ خَلَقَ السَّمواتِ والأرْضَ بِقادرٍ عَلى أن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الخلّاقُ العَلِيْمُ﴾(یٰس:۸۱)

کیا وہ ذات جس نے ساتوں آسمان وزمین کو بنایا ہے وہ (انسان کو موت دینے کے بعد) انہیں جیسا انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ کیوں نہیں بلکہ وہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

نیز دوسری جگہ فرمایا:﴿لَخَلْقُ السَّمواتِ والأرضِ أكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النّاسِ وَلكنّ أكْثَرَ النّاسِ لا يَعْلَمُوْن﴾ (غافر:۵۷)

یقیناً ساتوں آسمان وزمین کا پیدا کرنا انسان کو پیدا کرنے کی بہ نسبت بہت بڑی چیز ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ (اس چیز کو) سمجھ نہیں رہے ہیں۔

ظاہر سی بات ہے آسمان زمین اور ان میں موجود عجیب وغریب اور عظیم الشان چیزوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد کیا کوئی عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ اس عظیم آسمان وزمین کو پیدا کرنے والا ایک ضعیف اور کمزور انسان کو پہلے یا دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا؟؟!!

بھلا ایک ہوائی جہاز بنانے والے کے لئے جب سوئی جیسی معمولی چیز بنانا کوئی بڑی بات نہیں ہوسکتی ہے تو پھر بلا ستونوں کے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والے کے لئے ایک چھ سات فٹ کے کمزور انسان کو پیدا کرنا کیونکر بعید یا محال ہوسکتا ہے؟؟!!

۳-نشان انگشت (Finger Prints)

فنگر پرنٹ باریک لکیروں کا ایسا نشان ہے کہ دنیا میں اربوں کھربوں آدمی ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے میچ نہیں کھاتا ہے، جس سے ایک دوسرے کی باآسانی تمییز ہوجاتی ہے، سو جو ذات اس قدر باریک چیزوں کو کرنے پر قادر ہے تو اس سے آسان چیز کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لاَ أُقْسِمُ بِيَوْمِ القِيامَةِ ، وَلاَ أُقْسِمُ بِالنّفسِ اللّوّامة ، أَيَحْسَبُ الإنسانُ أن لَّنْ نَجْمَعَ عِظامَهٗ ، بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلَى أن نُّسَوِّىَ بَنانَهُ﴾ (قیامۃ:۱-۴)

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی، کیا انسان نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ ہم ان کے (بوسیدہ) ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کریں گے۔؟ کیوں نہیں بلکہ ہم تو ان کی انگلیوں کے پوروں کو بھی جوڑیں گے۔

یعنی قیامت کے منکرین جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ جب ان کی ہڈیاں تک بوسیدہ ہوکر ذرّات کی صورت میں بکھر جائیں گی تو انھیں دوبارہ کس طرح زندہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان اگر یہ خیال کرے کہ اس کی ہڈیاں خود بخود جمع نہیں ہوسکتیں یا مخلوق میں سے کوئی انھیں دوبارہ جمع نہیں کرسکتا تو اسے یہ سمجھنے کا حق ہے، مگر کیا وہ ہمارے متعلق گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کر

سکیں گے؟ پہلی دفعہ جب اس کا نام ونشان تک نہ تھا، ہم نے اسے پیدا کردیا تو اب اس کی ہڈیاں کیوں جمع نہیں کرسکتے؟ یقیناً ہم انھیں جمع کریں گے اور بڑی ہڈیاں ہی نہیں بلکہ ہم یہ بھی قدرت رکھتے ہیں کہ اس کے پور پور کو، جو نہایت باریک اور نازک ہڈیوں پر مشتمل ہیں، دوبارہ درست کرکے بنادیں۔

ماہرین ومحققین نے اس بات کی تحقیق شروع کی کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے سارے اعضاء وجوارح کو چھوڑ کرصرف جسم کے ایک معمولی حصے کو ذکر کیوں کیا ہے چنانچہ 1884ء میں انگلینڈ کے ماہرین اس نتیجے پر پہنچے کہ اس معمولی حصہ میں ایسی اور اتنی باریک لکیریں ہیں کہ وہ کسی انسان کی کسی دوسرے انسان سے میچ نہیں کھاتی ہیں۔

پھر دھیرے دھیرے پوری دنیا میں فنگر پرنٹ کا یہ انوکھا نظام رائج ہوتا چلا گیا، اب یہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ قدرت کی اس انوکھی تخلیق پرغور وفکر کو کوئی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتا، کسی نے سچ فرمایا ہے:"كثرة المساس ضياع الإحساس" کسی چیز کا کثرت استعمال ضیاع احساس ہے۔

جب تخلیق انسانی کے اس کارخانۂ الٰہی کا یہ انوکھا نظام ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی سے کلی طور پر مشابہت نہیں رکھتا، تو مرکر دوبارہ اٹھائے جانے کا نظام کیوں کر مضبوط ومستحکم نہیں ہوسکتا، بلکہ وہاں کا نظام تو اس سے کہیں زیادہ مضبوط ومستحکم ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿**وهو الذی يبدأ الخلق ثم يعيده وهو أهون عليه ،وله المثل الأعلى فى السموات والأرض وهو العزيز الحكيم**﴾(سورہ روم۲۷)

ترجمہ: وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔اسی کی بہترین اوراعلیٰ صفت ہے آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والاحکمت والا ہے۔

یعنی: ذات باری تعالیٰ جو انسان کو شروع میں پیدا کرتا ہے، وہی انسان کو موت دے کر دوبارہ اٹھاتا ہے اور دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے بہت ہی آسان ہے، بلکہ ساتوں آسمان اور روئے زمین میں وہ اس کام کے لئے اعلیٰ نمونہ رکھتا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

نیز فرمایا:﴿**وهو علىّ هين وقد خلقتك من قبل ولم تك شيئاً**﴾(سورہ مریم:۹)

اور کسی انسان کو اس کی پیدائش کے ظاہری سبب سے ہٹ کر دوبارہ پیدا کرنا مجھ پر بہت ہی آسان ہے کیونکہ میں نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں تھے۔

۴-دنیا کی ہر چیز اپنا مقصد وجود رکھتی ہے: پھرانسان کا وجود بےمقصد کیسے ہوسکتا ہے

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿**أفحسبتم أنما خلقناكم عبثاً وأنكم إلينا لا ترحعون، فتعالى الله الملك الحق**﴾(المومنون:۱۱۵،۱۱۶) کیا تم نے یہ خیال کررکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی بےکار پیدا کیا ہے اور تمھیں ہماری طرف پلٹ کے نہیں آنا ہے۔ پھر تو اللہ تعالیٰ (اس سے) بہت بلند اور مالک برحق ہے۔

جب ایک انسان جس کی سوچ محدود، عمریں محدود، دیکھنے، سننے کی طاقت لمیٹڈ ہوتے ہوئے جب اس کا کوئی کام بےمقصد نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جو اگلے پچھلے کی خبروں سے بخوبی

واقف ہے، پھر ہماری تخلیق کے پیچھے اس کا کوئی مقصد نہ ہو ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟!

چونکہ یہ دنیا دار العمل ہے یہاں انسان مرتے دم تک اچھے برے کاموں میں لگے رہتا ہے اور جس کا جس چیز سے لگاؤ ہوتا ہے زندگی کے آخری دم تک اسی کی کوشش میں ہوتا ہے جس کا نقشہ قرآن نے یوں کھینچا ہے: ﴿یـٰأیھا الإنسان إنک کادح إلی ربک کدحاً فملاقیه﴾ (انشقاق:٦) اے لوگوں تم اپنے رب سے ملنے تک کوشش وتگ ودو میں رہنے والے ہو۔

پورے پورے جزا کا یہاں سوال ہی نہیں اٹھتا ہے، بلکہ اس کا پورا پورا بدلہ کے لئے آخرت کا دن رکھا گیا ہے جو دار الجزا ہے۔

۵-قبروں سے انسان موت کے بعد اسی طرح اٹھے گا جیسا کہ سوکھی زمین سے پودا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿واللہ الذی أرسل الریاح فتثیر سحاباً فسقنه إلی بلد میت فأحیینا به الأرض بعد موتھا کذلک النشور﴾ (فاطر:۹) اور اللہ سبحانہ وتعالی وہ ذات ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر ہوا بادلوں کو بھڑکاتا ہے، پس ہم (اللہ تعالی) اس بادل کو مردہ زمین پر بہا دیتے ہیں، پس اس پانی کے ذریعہ ہم مردہ زمین کو زندہ کردیتے ہیں، اسی طرح ہم موت کے بعد تمہیں دوبارہ اٹھائیں گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جسم کے سارے اعضاء سڑ گل جائیں گے سوائے ریڑھ کی ہڈی کا آخری حصہ: ارشاد نبوی ہے: کل ابن آدم یأکله التراب إلا عجب الذنب منه خلق وفیه یرکب۔ (صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: ۵۰۵۶)

ابن آدم کے سارے (گوشت پوست) کو مٹی کھا جائے گی سوائے ریڑھ کی ہڈی کا آخری حصہ (دم کا حصہ) اسی سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے اور اسی میں اسے جوڑ دیا جائے گا۔

٦-سو کر جاگنا موت کے بعد دوبارہ اٹھنے کی طرح ہے۔

موت؛ موت کبری ہے اور نیند؛ موت صغری ہے، دونوں حالتوں میں روح نکل جاتی ہیں البتہ نیند میں اٹھتے وقت روح واپس آجاتی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اللہ یتوفی الأنفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الأخری إلی أجل مسمی إن فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون﴾ (سورہ زمر: ۴۲)۔

اور اللہ تعالی نفس کو موت دے دیتا ہے اس کی موت کے وقت (یعنی اس کی حیات مستعار کی مدت پوری کر لینے کے وقت) اور اس کو بھی موت دے دیتا ہے جو حالت نیند میں ہوتا ہے، پس اس شخص کی روح روک لی جاتی ہیں (جس کی مدتیں پوری ہوچکی ہوتی ہیں) جس کو مردہ قرار دیا جاتا ہے اور دوسری روح کو چھوڑ دیا جاتا ہے متعینہ مدت پوری کرنے تک۔ یقیناً اس (ایک روح کو روک لینے اور دوسرے کو چھوڑ دینے) میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔

اس لیے ہمیں شریعت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم جب سوئیں تو یہ دعاء پڑھیں: اللھم باسمك أموت

و أحيا. (صحیح بخاری: رقم الحدیث: ۶۳۲۵)۔

یعنی: اے اللہ تیرے ہی نام سے مرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے جاگتا ہوں۔

اسی طرح سوکر اٹھتے وقت کی یہ دعاء ہمیں ورد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے: ﴿الحمد لله الذى أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور﴾

(مذکورہ حوالہ)۔

یعنی تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد (سلانے کے بعد) دوبارہ اٹھایا اور اسی کی طرف دوبارہ اٹھائے جانا ہے۔

۷- آدم وحوا علیہا السلام اور عیسی علیہ السلام کی تخلیق دلیل ہے ہماری دوسری مرتبہ تخلیق کی کیونکہ دوسری مرتبہ ہمیں پیدا کرنا مشکل ہوتا تو آدم وحوا علیہا السلام اور عیسی علیہ السلام کا پیدا کرنا مشکل ہوتا کیونکہ آدم علیہ السلام کو اللہ نے ظاہری سبب سے ہٹ کر بغیر کسی ماں باپ کے پیدا کیا، تو حوّا علیہا السلام کو بغیر کسی ماں کے پیدا کیا، تو عیسی علیہ السلام کو معمولات سے ہٹ کر بغیر باپ کے پیدا کیا لہذا انسان کو قیامت کے دن دوبارہ اٹھایا جانا اللہ کے لئے کوئی مشکل امر نہیں ہے اس لئے ہمیں چاہیے کہ مذکورہ دلائل کی روشنی میں بعث بعد الموت پر ایمان رکھیں اور اللہ رب العالمین سے ایمان اور اس پر ثبات قدمی کی دعا کرتے رہیں اللہ رب العالمین ہمیں اس پر عمل کی توفیق بخشے۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد.

☆☆☆

شعور دل

فائق بندوی

قناعت کا کوئی ساماں نہیں کرتے تو کیا کرتے
علاجِ تنگیٔ داماں نہیں کرتے تو کیا کرتے

کمال زندگی پنہاں نہیں کرتے تو کیا کرتے
گوارا تلخیٔ دوراں نہیں کرتے تو کیا کرتے

ہمارے گھر پہ آنے میں اسے یکسر تکلف تھا
اسے اپنے یہاں مہماں نہیں کرتے تو کیا کرتے

جہاں جاذب نظر گلفام کا حسنِ ضیافت ہے
نگار نرگس جاناں نہیں کرتے تو کیا کرتے

انھیں ڈرتھا نہ مستقبل کہیں تاریک ہوجائے
تو پھر وہ میری ہاں میں ہاں نہیں کرتے تو کیا کرتے

کسی کے درد دل کا ہم مداوا کر تو سکتے ہیں
ہم اپنے درد کا درماں نہیں کرتے تو کیا کرتے

شکستہ دل ہم آئے تھے مگر جائے ادب یہ تھی
خیال محفل یاراں نہیں کرتے تو کیا کرتے

جہاں میں آج فائق بھی کہاں انسان کامل ہے
ہم اپنے آپ کو انساں نہیں کرتے تو کیا کرتے

شراب نوشی کے انسداد میں مذاہب عالم کا کردار

ڈاکٹر عبد الصبور ابوبکر
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

عقل، انسانی جسم کے اعضائے رئیسہ میں سے ہے۔ انسان کی ساری سرگرمیاں اس کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ عقل وہ ربانی عطیہ ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے، بلکہ انسانوں کے درمیان فرق مراتب میں بھی عقل ہی کا عمل دخل ہے، قومی وملکی عروج وزوال کا دار ومدار بھی انسانی عقل کی صحت وفساد پر ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام شرعی اور وضعی قوانین میں عقل کی حفاظت پر بڑا زور دیا گیا ہے اور ہر ایسے عمل اور حرکت سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے، جو عقل کو متاثر کرے، یا اس میں خرابی کا سبب بنے، مذہب اسلام میں عقل کی حفاظت کو پانچ ضروری چیزوں میں شمار کیا گیا ہے۔

عقل کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی چیز شراب نوشی اور دیگر منشیات کا استعمال ہے، شراب نوشی کے نتیجے میں بے شمار دنیوی واخروی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور انسان حیوانی صفت میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر گالی گلوج، سب وشتم، لڑائی جھگڑا، مار پیٹ، عداوت ودشمنی، قتل وخونریزی، غدر وخیانت وغیرہ برائیاں اس سے صادر ہوتی ہیں، کیونکہ ان اعمال بد اور نازیبا حرکات پر قدغن لگانے والی چیز یعنی عقل سے وہ وقتی طور پر محروم ہو چکا ہوتا ہے۔

آج شراب کے بے تحاشا استعمال اور نشہ خوری کے بڑھتے ہوئے رجحان سے ہر قوم وملت اور ہر ملک ووطن پریشان ہے۔ زیر نظر مقالہ میں شراب نوشی کے مضر اثرات اور اس کے انسداد میں مذاہب عالم کے کردار پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شراب کا معنی:

شراب عربی لفظ ہے جس کے معنی ہر اس مائع چیز کے ہیں جو پینے کے لیے استعمال ہوتی ہو، خواہ اس میں نشہ ہو یا نہ ہو، اسی لیے پھلوں کے جوس کو شراب کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں شہد کو بھی شراب کہا گیا ہے، لیکن اردو اور فارسی میں یہ لفظ صرف نشہ آور مشروبات کے لیے مستعمل ہے، عربی میں نشہ آور مشروبات کے لیے 'خمر' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور خمر کے معنی چھپانا اور ڈھانپنا کے ہیں، شراب کو 'خمر' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، یعنی نشہ کی حالت میں انسانی عقل کما حقہ کام نہیں کرتی ہے، جس کی وجہ سے انسان صحیح وغلط اور حلال وحرام کے درمیان تمیز کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔

شراب نوشی کے نقصانات:

تمام عقلا اور مذاہب عالم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شراب زہر قاتل اور تمام برائیوں کی جڑ ہے، مذہب اسلام

میں تو شراب کوام الخبائث (برائیوں کی ماں) کہا گیا ہے۔

ایک جرمن ڈاکٹر کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ اگر آدھے شراب خانے بند کر دیئے جائیں، تو میں ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفاخانے اور آدھے جیل خانے بے ضرورت ہو کر بند ہو جائیں گے۔

شراب نوشی کے بے شمار دنیاوی ودینی نقصانات میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

شراب نوشی کے دنیاوی نقصانات:

شراب کی دنیاوی مضرتوں کا دائرہ از حد وسیع ہے، مگر مختصر یہ کہ شراب نوشی بے شمار مالی، بدنی، سماجی، اقتصادی اور اخلاقی نقصانات کا منبع ہے، بغض وعداوت، قتل وخونریزی اور ہر قسم کے جرائم کی جڑ ہے۔ شراب نوشی کے اثرات گھریلو تشدد، بدسلوکی، بے حیائی، جنسی زیادتی، ذہنی خرابی، اعصابی تناؤ اور ٹریفک حادثات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا میں پائی جانے والی ہر بڑی خرابی میں شراب نوشی کا گہرا اثر ہوتا ہے۔

عالمی ادارہ صحت کی ایک رپورٹ میں، جو ۳۰ رممالک بشمول امریکہ اور برطانیہ کے بارے میں ہے، بتایا گیا ہے کہ ۸۶٪ قتل کی وارداتیں اور ۵۰٪ جنسی زیادتی کے واقعات نشے کے اثر میں کیے گئے۔

عالمی ادارہ صحت کی ایک رپورٹ کے مطابق شراب نوشی اور دیگر منشیات کے استعمال سے دنیا بھر میں ہر سال تین ملین افراد لقمہ اجل بنتے ہیں۔

اس ادارہ سے جاری ایک اور رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ شراب نوشی کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں میں زیادہ تعداد مردوں کی ہوتی ہے۔

مے نوشی سے پیدا ہونے والی بیماریاں بے شمار ہیں جن میں سرفہرست: آنتوں اور چھاتی کا کینسر، فالج، گردے اور دماغ کے خلیوں میں ورم، معدہ، دل اور پھیپھڑوں کے امراض اور جنسی کمزوری جیسی خطرناک بیماریاں ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ شراب نوشی سے جسم کا پورا دفاعی نظام کمزور پڑ جاتا ہے۔

ڈاکٹروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام غذائیں اور مشروبات بدن کا جزو بنتی ہیں سوائے شراب کے کہ نہ اس سے خون بنتا ہے اور نہ وہ بدن کا جزو ہی بنتی ہے، اس کا کام صرف خون میں ہیجان پیدا کرنا ہے، جس کی وجہ سے وقتی طور پر قوت محسوس ہوتی ہے، لیکن کئی دفعہ یہی ہیجان ہارٹ اٹیک کا سبب بھی بن جاتا ہے، نیز شراب سے شرائین سخت ہو جاتی ہیں، جس سے بڑھاپا جلد آجاتا ہے۔

شراب نوشی کے لیے لوگ عموماً محفلیں قائم کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مل کر شراب پینے کو ترجیح دیتے ہیں، پھر نشے کی حالت میں وہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو باہمی اختلافات، دشمنی، بغض وعناد اور لڑائی جھگڑے کا سبب بن جاتی ہیں، اسی بات کی طرف قرآن مجید نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (المائدۃ:۹۰)

شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان عداوت اور بغض واقع کرادے۔

شراب نوشی کے دینی نقصانات:

ہر مذہب کے ماننے والے اپنے مذہب کے مطابق کچھ عبادتیں اور مذہبی اعمال انجام دیتے ہیں، تاکہ ان کا رب ان سے خوش ہو جائے اور وہ نجات پاکر انعام ربانی سے سرفراز ہوں، مگر بلاشبہ رب کی خوشنودی وہی پا سکتا ہے، جو پورے گیان دھیان، دلجمعی اور اخلاص کے ساتھ اس کی پوجا پاٹ کرے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ کامل عقل اور پختہ شعور کا مالک ہو، یہی وجہ ہے کہ بچے اور مجنون شرعی احکام کے پابند نہیں ہوتے، کیونکہ وہ یا تو ناقص العقل ہوتے ہیں یا نعمت عقل ہی سے محروم ہوتے ہیں اور شراب کی یہ خاصیت ہے کہ وہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے اور انسان کو اللہ کے ذکر سے، نماز، روزہ اور دیگر عبادات سے روک دیتی ہے، اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ (المائدة: ۹۱)

شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ تعالی کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو کیا تم باز آنے والے ہو؟۔

مزید یہ کہ حالت نشہ میں کی ہوئی عبادت کا کوئی اعتبار بھی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کن الفاظ اور کن کیفیات وہیئات کے ساتھ عبادت کو انجام دے رہا ہے خود اسے بھی نہیں معلوم ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اسلام، یہودیت، عیسائیت اور بعض دیگر مذاہب میں نشہ کی حالت میں عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

مذاہب عالم میں شراب نوشی کی حرمت وقباحت:

ادیان سماویہ اور دیگر تمام مذاہب عالم بنی نوع انسانیت کو بالعموم اچھائیوں پر ابھارتے اور برائیوں سے روکتے ہیں، ان کی تعلیمات کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے مالک کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر دوسروں کے لیے مفید اور کارآمد شہری بنے، کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے اور قبیح اور ناپاک چیزوں سے اجتناب کرے، یہی وجہ ہے کہ شراب کی حرمت وقباحت پر تمام مذاہب عالم کا اتفاق ہے، کسی مذہب میں مے نوشی کی نہ تو ترغیب دی گئی ہے اور نہ اس پر اجر وثواب کا وعدہ ہی کیا گیا ہے، بلکہ ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو شراب سے روکا ہے اور معاشرے پر اس کے منفی اثرات سے خبردار کیا ہے۔ اسلام میں تو ایک قطرہ شراب پینے کو بھی جرم اور گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔ شراب نوشی کی روک تھام کے لیے مذاہب عالم (ہندومت، بدھ ازم، یہودیت، عیسائیت، سکھ مت اور اسلام) کی بعض تعلیمات حسب ذیل ہیں:

ہندومت میں شراب نوشی کی ممانعت:

ہندومت، جو دنیا کا قدیم ترین مذہب تصور کیا جاتا ہے کی کتابوں میں واضح طور پر منشیات سے روکا گیا ہے۔ ہندومت کی سب سے مقدس کتاب رگ وید (۸:۲:۱۲) میں مرقوم ہے: ''نشہ کرنے والا عقل کھو بیٹھتا ہے، یا وہ گوئی کرتا ہے، اپنے آپ کو ننگا کرتا ہے اور ایک دوسرے سے لڑتا ہے''۔

ہندو دھرم کی مذہبی کتاب بھگوت پران (۲۹، ۲۶،

۵)، برہم پران (۱۲۷، ۱۰۶) اوران کی تعلیمات کے مطابق شراب کی ممانعت ہے۔

ہندوؤں کی مشہور کتاب منوسمرتی " (۱۱:۹۱) میں شراب نوشی کو گناہ قرار دیا گیا ہے، اسی کتاب (۱۱:۹۳) میں لکھا ہے: " شراب ایک غلاظت ہے، چنانچہ کسی مذہبی رہنما، کسی حکمران، یا کسی بھی عام آدمی کو شراب نہیں پینی چاہیے۔

منوسمرتی (۱۱:۹۵) میں برہمنوں کو شراب پینے سے منع کیا گیا ہےاور وشنوسمرتی (۲۲:۸۴) میں ہے کہ چھتری اور ویشوں کے لیے شراب پینا گناہ نہیں ہے، ہندومت کے بارے میں ایک معتبر کتاب ہندو دھرم ہزار برس پہلے (از ابوریحان البیرونی صفحہ: ۲۱۸، ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ۱۹۹۳ء) میں لکھا ہے کہ شودر کے لئے شراب پینا جائز ہے اور بیچنا حرام ہے۔

بدھ ازم میں شراب نوشی کی ممانعت:

بدھ ازم میں شراب نوشی اور دیگر منشیات کے استعمال سے سختی سے روکا گیا ہے، بدھ ازم کے بانی مہاتما گوتم بدھ کے دس بنیادی احکامات میں سے ایک حکم یہ ہے: ایسے نشہ آور مشروب اور منشیات سے پرہیز کرو جو ہوش وحواس گم کر دے۔ (گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، از کرشن کمار، صفحہ: ۲۷۴)۔

یہودیت میں شراب نوشی کی ممانعت:

عہد نامہ قدیم میں شراب کی حرمت کے لیے کوئی صریح نص موجود نہیں ہے، البتہ اس میں شراب کی قباحت اور شراب پینے والوں پر اس کے برے اثرات کو بیان کیا گیا ہے (سفرالامثال: ۲۰:۱، ۲۳:۲۹)۔

یہودیوں کے الہامی مجموعہ کتب " عہد نامہ عتیق کی ایک کتاب سفر اللاویین (باب ۱۰، آیت ۹-۱۰) میں زیر عنوان " کاہنوں کے لیے ضوابط " میں لکھا ہے: " رب نے ہارون سے کہا کہ تو یا تیرے بیٹے شراب پی کر کبھی خیمہ اجتماع میں داخل نہ ہونا، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس حالت میں مر جاؤ، یہ تمھارے لئے نسل در نسل ہمیشہ تک کے لئے ایک قانون رہے گا۔

اسی عہد نامہ عتیق کی 'کتاب امثال' (۲۳: ۳۰، ۳۱، ۳۲) میں ہے کہ جو شراب کے عادی ہیں ان کے لیے عذاب ہے، بدبختی ہے، جھگڑا ہے، تو شراب کی طرف نہ دیکھ، شراب انجام کار زہریلے سانپ کی طرح ڈستی ہے اور زہر پھیلاتی ہے۔

اسی طرح یہودیت کی مقدس کتاب مجموعہ قوانین تلمود " میں بھی شراب نوشی سے منع کیا گیا ہے (الحیاۃ الیہود یہ حسب التلمود، رموسی ص: ۱۳، ۱۳، ۲۰۱۳ء)۔

لیکن امثال (۳۱: ۶، ۷) ہی میں یہ حکم بھی ہے کہ پریشان حال اور فقیر ومحتاج کے لیے شراب پینی جائز ہے تاکہ وہ اپنی محتاجگی کو بھول جائے اور تکلیف کو یاد نہ کرے۔

عیسائیت میں شراب نوشی کی ممانعت:

عیسائیوں کے مذہبی مجموعہ کتب عہد نامہ جدید کی کتاب کرنتھیوں (۱۱:۵) میں حکم ہے: اگر تمھارا کوئی بھائی کہلانے والا زناکار، یا لالچی یا بت پرست یا گالی دینے والا یا شرابی یا ظالم ہو تو اس سے تعلق نہ رکھو، بلکہ اس کے ساتھ کھانا تک نہ کھاؤ۔

اسی عہد نامہ جدید کی ایک دوسری کتاب افسیوں

(باب:۵،آیت:۱۸) میں لکھا ہے:اور شراب کے متوالے نہ بنو، کیونکہ اس سے بد چلنی واقع ہوتی ہے۔

بائبل (جو عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کے مجموعے کا نام ہے) جسے، عرف عام میں کتاب مقدس بھی کہا جاتا ہے میں زیر عنوان نذیروں کے لئے قواعد وضوابط میں شراب اور مے کے متعلق لکھا ہے کہ تو وہ شراب سے پرہیز کرے اور شراب کا سرکہ نہ پئے اور نہ انگوروں کا رس پئے۔ (پرانا عہد نامہ گنتی باب ٦، آیت ۳)۔

عیسائی مذہب کے مجموعہ کتب عہد جدید کی کتاب کر نتھیوں (۱۲/٦) میں ہے کہ میرے لیے ہر چیز حلال ہے مگر ہر چیز میرے لیے مناسب نہیں ہے"، عیسائیت میں اس حکم اور اس آزادی کا غلط استعمال کر کے ہر چیز کو حلال کر دیا گیا یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے شراب نوشی کو بھی جائز قرار دے دیا، جبکہ عہد نامہ جدید میں صراحت کے ساتھ شراب کی حرمت کا ذکر ہے، چنانچہ عہد نامہ جدید کی کتاب رومیا (۲۱/۱۴) میں ہے کہ شراب نوشی سے پرہیز کرو"۔

سکھ مت میں شراب نوشی کی حرامت:

گرونانک صاحب نے گروگرنتھ صاحب کے صفحہ نمبر (۱۳۷۷) میں خبردار کیا ہے کہ انسان چاہے جتنا بھی زیادہ عبادت گزار کیوں نہ ہو لیکن شراب نوشی کی بنا پر اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

مذہب اسلام میں شراب نوشی کی حرمت:

شراب کے بارے میں اسلام کا موقف سب سے واضح اور مضبوط ہے، مذہب اسلام نے جتنی قطعیت کے ساتھ شراب کی حرمت کو بیان کیا ہے اور جتنی صراحت اور سختی سے شراب نوشی سے روکا ہے اس کی نظیر دیگر مذاہب عالم میں نہیں ملتی، اسلام نے مختلف انداز اور متعدد پیرائے میں شراب کی حرمت وقباحت کو واضح کر کے اس سے باز رہنے کی تلقین کی ہے، چنانچہ کبھی شراب کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا، کبھی شراب کے دینی ودنیاوی نقصانات کو بیان کیا، کبھی مے نوشی کو گناہ کبیر قرار دیا، کبھی زوال ایمان کا سبب بتایا، کبھی نشہ کی حالت میں عبادت کرنے سے روکا، کبھی شرابی کی عبادت رد کرنے کی دھمکی دی، کبھی شراب کے ذریعہ علاج پر پابندی عائد کی، کبھی اس کی تجارت اور بیع وشرا کو حرام گردانا، کبھی شرابی کو روز قیامت اللہ کے غضب کا سزاوار ٹھہرایا، کبھی شراب خوری کو تعزیری جرم قرار دے کر اس کے مرتکب کو دنیا میں بھی سخت سزا سنائی، الغرض اسلام نے انسانوں کو شراب سے روکنے کے لیے ہر ممکنہ صورت اختیار کی۔ کتاب وسنت سے چند نصوص ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى (النساء:۴۳) اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔

اور فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ * إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذكر الله وعن الصلاة فهل أنتم مُنتَهُونَ (المائدة:۹۰-۹۱) اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال

نکالنے کے لیے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ تعالی کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو کیا تم باز آنے والے ہو؟۔

نبی کریم صلی اللہ نے فرمایا: كل مسكر خمر، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ (مسلم: ۲۰۰۳) ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: لعن رسول الله فی الخمرة عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة إليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشترى لها، والمشتراة له. (جامع ترمذی: ۱۲۹۵)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت بھیجی: اس کے نچوڑنے اور نچوڑوانے والے پر، اس کے پینے والے پر، اس کے لے جانے والے پر، اس کے منگوانے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اور اس کے بیچنے والے پر، اس کی قیمت کھانے والے پر، اس کو خریدنے والے پر اور جس کے لیے خریدی گئی ہو اس پر۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا يزنى الزانى حين يزنى وهو مؤمن ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن (صحیح بخاری: ۵۵۷۸، صحیح مسلم: ۵۷)۔

زانی جب زنا کر رہا ہوتا ہے تو وہ زنا کرتے وقت مومن نہیں ہوتا اور چوری کے وقت چور مومن نہیں رہتا اور شرابی جب شراب نوشی کرتا ہے وہ بھی اس وقت مومن نہیں ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: الخمر أم الخبائث، فمن شربها لم تقبل صلاته أربعين يوما، فإن مات وهى فى بطنه مات ميتة جاهلية (صحیح الجامع: ۳۳۴۴)

شراب تمام برائیوں کی ماں ہے جو اسے پیتا ہے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی اور اگر وہ اس حال میں مرا کہ اس کے پیٹ میں شراب تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

نیز فرمایا: من شرب الخمر فاجلدوه فإن عاد فى الرابعة فاقتلوه (جامع ترمذی: ۱۴۴۴) جو شراب پیے تو اسے کوڑے لگاؤ اور اگر چوتھی بار یہ عمل دہرائے تو اسے قتل کردو۔

آپ نے فرمایا: ومن شرب الخمر في الدنيا، ثم لم يتب منها، حرمها فى الآخرة (صحیح بخاری: ۵۵۷۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۳)

جس نے دنیا میں شراب پی اور پھر اس سے توبہ نہ کی، تو وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔ ان نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ شراب کو اسلام نے نہایت قبیح اور ناپاک چیز قرار دیا ہے اور سختی کے ساتھ اس سے باز رہنے کی تاکید کی ہے، یقیناً یہ اسلام کی بہت بڑی خوبی ہے، جس کا اغیار نے بھی اعتراف کیا ہے، ایک انگریز قانون داں بنتام لکھتا ہے کہ

اسلامی شریعت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں شراب حرام ہے۔

ایک اشکال کا ازالہ:

اسلامی تعلیمات کے برخلاف بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کم مقدار میں شراب پینا قلب کے لیے مفید ہے، اس سے جسم کو توانائی اور بدن کو چستی و پھرتی ملتی ہے، بھوک اچھی لگتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ باطل قول ہے اس کے بطلان کو جدید ریسرچ نے بھی ثابت کر دیا ہے، نیز یہ موہوم فائدہ ایسا ہے جسے دوسری پاکیزہ چیزوں سے اس سے زیادہ اور بہتر انداز میں بآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے، اس فائدے کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو شراب نوشی کے جو جسمانی نقصانات ہیں وہ اس قدر زیادہ اور خطرناک ہیں کہ ان کے مقابلے میں اس فائدے کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

نیز یہ ایک شیطانی چال ہے، وہ اپنے جال میں لوگوں کو اسی طرح پھنساتا ہے کہ شراب نوشی کے معمولی فائدے کو بڑا دکھا کر پہلے تھوڑی مقدار میں پینے کی طرف دعوت دیتا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد انسان کو زیادہ کی طلب ہوتی ہے، پھر دھیرے دھیرے اس کا جسم شراب کا عادی بن جاتا ہے اور نشے کی لت پڑ جاتی ہے، جس سے چھٹکارا پانا بے حد مشکل ہوتا ہے، لہذا شراب نوشی کی تباہ کاریوں سے اس وقت بچا جاسکتا ہے جب ایک گھونٹ بھی شراب حرام ہو جیسا کہ مذہب اسلام میں ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ " إغاثۃ اللہفان " (۱/ ۶۱۷) میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالی نے شراب کے قطرے کو بھی حرام قرار دیا ہے، اگر چہ اس سے بڑی خرابی پیدا نہیں ہوتی ہے، کیونکہ تھوڑی شراب ہی زیادہ شراب نوشی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کا کہنا ہے کہ شراب نوشی کسی بھی مقدار میں ہو، آپ کی صحت کے لیے مفید نہیں ہے، پینے والے کی صحت کو شراب کے پہلے گھونٹ ہی سے خطرے لاحق ہو جاتے ہیں (بی بی سی اردو، ۹ /اگست ۲۰۲۴ء)۔

لمحہ فکریہ:

تعجب ہے کہ دنیا کے تقریباً سبھی بڑے مذاہب نے شراب نوشی سے باز رہنے کی تعلیم دی ہے، نیز ہر شخص شراب کی قباحت اور اس کے منفی اثرات سے بخوبی واقف ہے چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، مرد ہو یا عورت، دیندار ہو یا بے دین، کافر ہو یا ملحد، مگر اس کے باوجود پورے عالم میں نشہ خوری کا بازار گرم ہے، آج شراب اور دیگر منشیات کا استعمال ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے، دن بدن شراب پینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، بلکہ شراب نوشی ایک فیشن بن چکی ہے، نشہ کرنا اب عیب نہیں رہا، ہر جگہ شراب کے اڈے قائم ہیں، ہر گلی کوچے میں شراب کی دکانیں موجود ہیں، ہوٹلوں حتی کی چائے کی دکانوں میں بھی شراب بآسانی دستیاب ہے، جبکہ "ڈبلیو ایچ او" کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں تقریبا ۴۰ کروڑ لوگ شراب نوشی اور منشیات کے استعمال سے ہونے والی بیماریوں میں مبتلا ہیں، جن میں ۲۰/کروڑ ۹۰/لاکھ لوگ شراب کے عادی ہیں۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ شراب نوشی پر لگام کسنے کے

لیے حکومتوں کی جانب سے نشہ خوری کے خلاف اشتہارات شائع کیے جاتے ہیں، منشیات کی تباہ کاریوں کو بھی بیان کیا جاتا ہے، مگر دوسری طرف خود حکومتوں کا شراب اور دیگر منشیات کی ترویج واشاعت میں بڑا رول ہوتا ہے، حکومتیں شراب کی خرید وفروخت پر پابندی لگانے کے بجائے ان کی فیکٹریاں قائم کرنے کے لیے باقاعدہ لائسنس جاری کرتی ہیں اور شراب پر بھاری ٹیکس لگا کر سرکاری خزانے میں اضافہ کرتی ہیں، شراب نوشی سے متعلق سخت قانون ہونے کے باوجود وہ ان پر عمل نہیں کرتی ہیں، اس طرح کا منافقانہ رویہ اختیار کر کے اس قبیح چیز کو مزید بڑھاوا دیتی ہیں۔

حکومتوں پر واجب ہے کہ اس کی روک تھام کے لیے سنجیدہ ہوں اور شراب پر مکمل پابندی عائد کریں تاکہ ملک و معاشرے کو تباہی سے بچایا جا سکے۔

تجاویز:

شراب نوشی کے بڑھتے رجحان کو کم کرنے کے لیے کچھ تجاویز پیش کی جارہی ہیں:

۱- مختلف مذاہب کے علما اور مبلغین کی ایک مشترکہ کمیٹی بنائی جائے جو شراب نوشی کے خاتمے کی کیمپنگ کرے اور اس کی تباہ کاریوں سے لوگوں اور خاص طور پر نئی نسل کو آگاہ کرنے کے لیے جگہ جگہ پروگرام کرے، جس میں سبھی دھرموں کے لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جائے۔

۲- مشترکہ کمیٹی کے تحت کچھ ذیلی کمیٹیاں بھی تشکیل دی جائیں جو گھر گھر جا کر منشیات کے انسداد کے لیے بیداری مہم چلائیں، منشیات کے خطرناک نتائج سے لوگوں کو آگاہ کریں اور ان کے سامنے شراب کے دینی و دنیاوی نقصانات کو بیان کریں۔

۳- شراب نوشی کی روک تھام کے لیے مشترکہ مذہبی پمفلیٹ، ہینڈ بل اور پوسٹرس شائع کیے جائیں، جن میں دنیا کے مشہور مذاہب کی معتبر کتابوں کے حوالے سے شراب کی حرمت وقباحت بیان کی گئی ہو، پھر انھیں مفت تقسیم کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

۴- مختلف مذاہب کے بااثر اور سیاسی لوگوں کے ذریعے حکومت اور انتظامیہ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ شراب اور دیگر منشیات تیار کرنے والی کمپنیوں کے لائسنس منسوخ کرے اور ان کی فروخت پر پابندی عائد کرے۔

۵- ذرائع ابلاغ مثلاً اخبارات، رسائل و جرائد، شوسل میڈیا اور ٹی وی چینل وغیرہ پر انسداد منشیات پر مبنی مضامین اور آرٹیکلس لکھے جائیں اور عوام کو ان کی مضرتوں سے روشناس کرنے کے لیے مستقل پروگرام پیش کیے جائیں۔

هذا، وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

☆☆☆

شہرہ آفاق کتاب فتح الباری بشرح صحیح البخاری کی عظمت اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں اس کی شایانِ شان تحقیق

ڈاکٹر امیر الاسلام بن بحر الحق مدنی

امیر المؤمنین فی الحدیث ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے حدیث رسول ﷺ کی حفاظت وصیانت اور صحیح وسقیم کے درمیان تمیز کا نیک جذبہ لے کر جس عظیم الشان کتاب کی تالیف فرمائی وہ صحیح بخاری کے نام سے معروف ہے۔اس کا پورانام:الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه ہے۔اس کتاب کی تالیف میں امام بخاری رحمہ اللہ نے جہاں صحیح احادیث کے انتخاب میں بے مثال دقت،محنت اور جانفشانی سے کام لیا اور کسی حدیث کو اپنی کتاب میں اس وقت تک داخل نہ کیا جب تک کہ انھیں اس کی صحت کا یقین نہ ہوگیا ہو، وہیں آپ نے اس کا بھی پورا خیال رکھا کہ یہ کتاب فقہی مسائل کے استخراج واستنباط سے خالی نہ رہے،اسی لیے احادیث کو ان کے معانی ومفاہیم اور دلالت کے اعتبار سے الگ الگ ابواب وعناوین کے تحت ذکر فرمایا،جنہیں ہم تراجمِ ابواب بخاری کہتے ہیں۔ظاہر ہے کہ بسا اوقات ایک ہی حدیث میں ایک سے زائد فقہی احکام ومسائل موجود ہوتے ہیں اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ ایک ہی حدیث کو کئی کئی باب میں ذکر کرتے ہیں،لیکن عام طور پر دوسرے باب میں ذکر کرتے وقت اس حدیث کو الگ سند اور الگ لفظ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں،کبھی ایک جگہ حدیث کو مکمل ذکر کرتے ہیں، لیکن دوسری جگہ حدیث کے کسی خاص جزء کو مختصراً ذکر کرتے ہیں۔تراجمِ ابواب کے تحت حدیث کو ذکر کرنے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ذہانت وفطانت،علمی وسعت،قوت اجتہاد اور فقاہت کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نظیر کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتی،کہیں کہیں تو نہایت دقیق فقہی امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں،کہیں کسی محدثانہ اصول یا کسی مخفی علت کی طرف اشارہ کرتے ہیں،کہیں کسی اور فائدہ کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ان امور کی وجہ سے صحیح بخاری اصحیت کے ساتھ ساتھ جامعیت کی بھی حامل ہے۔ابن حجر رحمہ اللہ نے ان امور کو من جملہ ان خصائص میں شمار کیا ہے جن کی بنا پر صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر برتری وفوقیت حاصل ہے۔چنانچہ ہُدیٰ الساری (ص: ۱۳،طبع بیروت) میں آپ لکھتے ہیں:وكذلك الجهة العظمى الموجبة لتقديمه وهي ما ضمنه أبوابه من التراجم التي حيّرت الأفكار ودهشت العقول والأبصار. یعنی اصحیت کے علاوہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر مقدم کرنے کا ایک امتیازی پہلو وہ بھی ہے جو اس کتاب کے ابواب کے (دقیق وباریک) عناوین وتراجم ہیں،جن سے فکر ونظر اور عقل وخرد حیران وپریشان ہے۔،،

صحیح بخاری کی جامعیت اور مذکورہ خصائص کی بنا پر اس کی شرح لکھنے والے بڑے بڑے اجلہ مصنفین اور فحول علما بھی بسا اوقات اس کتاب کے جامع وعالی مقاصد اور باریک نکتوں اور گرہوں کو کھولنے اور ان کی کما حقہ وضاحت سے عاجز نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی شہادت مشہور مورخ وعالم علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے بھی دی ہے، آپ نے صحیح بخاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: فأمّا البخاريُّ -وهو أعلاها رتبةً- فاستصعب النَّاس شَرْحَه، واستغلقوا منحاه من أجل ما يحتاج إليه من معرفة الطرق المتعددة، ورجالها من أهل الحجاز والشام والعراق، ومعرفة أحوالهم واختلاف الناس فيهم، وكذلك يحتاج إلى إمعان النظر فى التفقه فى تراجمه؛ لأنه يترجم الترجمة ويورد فيها الحديث بسندٍ أو طريقٍ، ثم يترجم أخرى ويورد فيها ذلك الحديث بعينه؛ لما تضمنه من المعنى الذى ترجم به الباب، وكذلك فى ترجمة وترجمة إلى أن يتكرر الحديثُ فى أبواب كثيرة بحسب معانيه واختلافها، ومَنْ شَرَحه ولم يستوف هذا فيه؛ فلم يوفّ حقّ الشّرح كابن بطّال وابن المهلّب وابن التّين ونحوهم. ولقد سمعتُ كثيرًا من شيوخنا رحمهم الله يقولون: شرح كتاب البخاريّ دَيْنٌ على الأمّة؛ يعنون أنّ أحدًا من علماء الأمّة لم يوفّ ما يجب له من الشّرح بهذا الاعتبار. یعنی جہاں تک صحیح بخاری کی بات ہے جو کہ حدیث کی کتابوں میں سب سے بلند پایہ ہے، تو لوگ اس کی شرح کو سخت مشکل خیال کرتے ہیں اور اس کے مقاصد تک پہنچنے کو مشکل گردانتے ہیں؛ کیوں کہ صحیح بخاری کے مقاصد تک پہنچنے کے لیے ایک ہی حدیث کے متعدد طرق کی معرفت، ان طرق واسانید کے رجال کا علم ہونا کہ کون حجازی ہے، کون عراقی ہے اور کون شامی؟ پھر ان کے حالات سے آگاہ ہونے کے علاوہ یہ جاننا کہ لوگ ان میں کیا اختلاف رکھتے ہیں؟ اسی طرح تراجم ابواب کے سمجھنے میں بھی بڑی دقیق نگاہ کی ضرورت ہے۔ امام بخاری ایک ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں اور اس میں ایک سند سے حدیث لاتے ہیں۔ پھر دوسرا ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں اور وہی حدیث دوسری سند سے لاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ دوسرے ترجمۃ الباب کی بھی دلیل ہے۔ اسی طرح متعدد تراجم ابواب میں بوجہ کثرت معانی واختلاف سند حدیث مکرر ہوجاتی ہے۔ اب جنہوں نے بھی اس کتاب کی شرح کی ہے اور مذکورہ امور کا احاطہ نہیں کیا ہے جیسے: ابن بطال، ابن التین یا ابن المہلب وغیرہ، وہ سب کے سب اس کا مکمل حق ادا نہیں کر پائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے بہت سے مشائخ (رحمہم اللہ) کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ (بخاری کی شرح امت پر قرض ہے) یعنی ان امور کے مطابق امت کے کسی عالم نے بھی اس کتاب کی شایان شان شرح نہیں لکھی ہے،،۔ (تاریخ ابن خلدون 1/560: ط: دار الفکر)۔

ابن خلدون کی وفات نویں صدی کے شروع میں (۸۰۸) ہجری میں ہوئی۔ اس اعتبار سے یہ بات صحیح

بخاری کی تالیف کے پانچ سو سال سے زائد کا عرصہ گذر جانے کے بعد کہی گئی۔ حالاں کہ اس وقت تک بہت سارے اہل علم نے اس عظیم کتاب کی شرح لکھ دی تھی۔ تاہم ابن خلدون کے مطابق صحیح بخاری کا جو علمی مقام تھا اس کی شایان شان کوئی شرح نہیں لکھی جا سکی تھی، اسی لیے اسے امت پر باقی رہنے والا قرض قرار دیا۔ اللہ کا کرشمہ دیکھیے کہ اُسی (۹) نویں صدی ہجری میں اللہ نے ایک عبقری شخصیت کو اس قرض کی ادائیگی کی بھرپور توفیق مرحمت فرمائی۔ یہ شخصیت حافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن حجر کنانی شافعی (متوفی: ۸۵۲ہجری) کی ہے۔ جو اہل علم کے نزدیک ابن حجر عسقلانی کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ نے سیکڑوں کی تعداد میں عمدہ ترین کتابیں تصنیف کیں اور اللہ کی توفیق سے تقریبا ہر کتاب نے اہل علم کے نزدیک خوب پذیرائی حاصل کی۔ لیکن شاید اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو کہ اگر آپ کی تصنیفات میں فتح البار کے علاوہ کوئی اور تالیف نہ بھی ہوتی تو یہی فتح الباری آپ کی شہرت اور آپ کے عظیم المرتبت ہونے کے لیے کافی ہوتی۔

فتح الباری کی عظمت واہمیت:

یہ مکمل صحیح بخاری کی شرح ہے اور کتاب کے شروع سے لے کر آخر کتاب تک مؤلف رحمہ اللہ کے اسلوب ومنہج میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، بلکہ ایک ہی مستحکم اسلوب ومنظّم انداز میں شرح کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔

یہ وہ عظیم الشان شرح ہے جس کی تالیف میں مؤلف رحمہ اللہ نے (۲۵) سال سے زائد کا عرصہ صرف کیا ہے۔ اس میں انہوں نے سابقہ شروحات سے بھرپور استفادہ کیا ہے، نیز اصحاب شروح سے سرزد ہونے والی لغزشوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح بھی کی ہے۔

شروحات کے علاوہ دیگر ہزاروں مصادر سے آپ نے استفادہ کیا ہے اور ہر فن کے اصل مصادر کی طرف رجوع کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔

کتاب کو نہایت محرر ومستحکم اسلوب میں پیش کرنے کے لیے آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ سب سے پہلے شرح کا کچھ حصہ اپنے ماہر ترین تلامذہ کو املا کراتے، پھر ان کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے، اور مسائل کا مدارسہ ومناقشہ اور خوب بحث وتمحیص کے بعد اسے شاملِ کتاب کرتے۔

یہ کتاب مؤلف رحمہ اللہ کی ان کتابوں میں سے ایک ہے جن پر خود آپ نے دلی اطمینان ورضامندی کا اظہار کیا ہے۔ بلکہ آپ اس کتاب سے اس قدر خوش تھے کہ اس کی تکمیل پر آپ نے ایک نہایت شاندار دعوتِ عام کا اہتمام کیا، جس میں عام وخاص مسلمان شریک ہوئے۔ اور اس دعوت پر آپ نے تقریبا پانچ سو دینار خرچ کیے۔ (ولیمہ فتح الباری کی تفصیل کے لیے دیکھیں: الجواہر والدرر، ج۲، ص: ۷۰۲، طبع دار ابن حزم)۔

مذکورہ بالا امور ودیگر بہت سی خصوصیات کی وجہ سے صحیح بخاری کی شروحات میں جو مقام فتح الباری کو حاصل ہے دیگر شروحات کو نہیں ہے۔ بہت سارے علما نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری لکھ کر بخاری شریف کی شرح کا حق ادا کر دیا ہے، مؤلف رحمہ اللہ کے شاگردِ خاص حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے یہاں تک کہا ہے کہ: اگر اس کتاب کو مکمل یا اس کا بعض حصہ ہی علامہ ابن

خلدون نے دیکھ لیا ہوتا تو ضرور ان کی آنکھ کو ٹھنڈک حاصل ہو جاتی؛ کیوں کہ وہ کہتے تھے کہ صحیح بخاری کی شرح امت پر قرض ہے۔،،(دیکھیں:الجواہر والدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر:۲/۷۰۷)۔

اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے کہ جب ان سے ان کے شاگردوں نے یہ درخواست کی کہ آپ بھی (صحیح بخاری) کی کوئی شرح لکھ دیں جیسے اور لوگوں نے لکھی ہے تو انہوں نے یہ مشہور جملہ کہا: (لا ہجرۃ بعد الفتح) ’’یعنی فتح الباری‘‘ کے بعد اب دوسری شرح لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔،،

محترم قارئین!

ضرورت تھی کہ علمی تحقیقات واختراعات اور بحث ومعرفت کے اس دور میں معلومات کا بیش بہا خزانہ سمیٹے ہوئی یہ عظیم الشان کتاب بہترین ومعیاری تحقیق کے ساتھ اہل علم کے ہاں دستیاب ہوتی؛ کیوں کہ اب تک کی طبعات میں اہل علم بہت سارے عیوب ونقائص محسوس کر رہے ہیں۔ان نقائص کی تفصیل کے لیے میری یہ مختصر تحریر متحمل نہیں،البتہ آج کی تاریخ میں مؤسسۃ الرسالہ کی طباعت جو کہ موجودہ طبعات میں سب سے عمدہ مانی جاتی ہے۔اس کی جن خامیوں کی اہل علم نے نشاندہی کی ہے اور جنھیں فن تحقیق کے خلاف قرار دیا گیا ہے ان میں سے بعض کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔اور عام طور پر یہ سارے نقائص وعیوب دیگر سابقہ طبعات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

مؤسسۃ الرسالہ کی طباعت کے بعض نقائص وعیوب:

(۱) اس طباعت کے محققین نے جن قلمی نسخوں (مخطوطات) پر اعتماد کیا ہے وہ یا تو مؤلف کے زمانے سے بہت بعد کے نسخے ہیں، یا بعض ایسے نسخوں پر اعتماد کیا ہے جن پر ناسخ کا نام تک موجود نہیں ہے، حالاں کہ خود مؤلف کے شاگردوں کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے نسخے دستیاب ہیں۔

(۲) ابن حجر رحمہ اللہ نے ہزاروں مصادر سے اپنی کتاب میں استفادہ کیا ہے،اس تحقیق میں ابن حجر رحمہ اللہ کے دیگر اہل علم کی کتابوں سے نقل کردہ کلام کی توثیق کا عام طور پر اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

(۳) بعض جگہوں پر اگر کچھ توثیق کی بھی گئی ہے،تو اس میں ایک غلطی یہ سرزد ہوئی ہے کہ توثیق کی عبارت کو اصل کتاب کی عبارت کے اندر داخل کر دیا گیا ہے جب کہ یہ بات اصول تحقیق کے خلاف ہے۔

(۴) اُن احادیث وآثار کی تخریج بالکل نہیں کی گئی ہے جنھیں ابن حجر رحمہ اللہ نے ایسے مصادر سے نقل کیا ہے جو فی الحال مفقود ہیں، حالاں کہ ایسی صورت میں اگر دستیاب مصادر سے ان احادیث کی تخریج کر دی جاتی تو بہت حد تک مستحسن عمل ہوتا۔

(۵) علمی تحقیقات میں بعض امور پر تبصرہ ضروری ہوتا ہے مثلا: جب کسی غیر مشہور عالم، راوی اور جگہ وغیرہ کا نام آئے تو مختصر ومناسب تعلیق چڑھائی جاتی ہے۔ مذکورہ اڈیشن میں اس کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

(۶) بہت ساری جگہوں میں مؤلف رحمہ اللہ کے کلام کو (مخطوط) قلمی نسخوں سے پڑھنے اور نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔

ان تمام خامیوں کو دیکھتے ہوئے کلیۃ الحدیث الشریف والدراسات الاسلامیہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے ذمہ داران، جن میں یہاں کے معروف ومشہور استاذ ڈاکٹر عبدالباری بن حماد الانصاری حفظہ اللہ پیش پیش تھے، نے فیصلہ کیا کہ مرحلہ دکتوراہ کے طلبہ کو دکتوراہ کی ڈگری کے لیے اس کتاب کی تحقیق کا مکلّف بنایا جائے، پھر کلیہ نے ڈاکٹر عبدالباری حفظہ اللہ اور دیگر سینئر اساتذہ کے تعاون سے اس کتاب کے قدیم ترین نسخے جمع کر کے چالیس طلبہ کو اس عظیم کتاب کی تحقیق میں شامل کیا۔ الحمد للہ اڑتیس (۳۸) طلبہ نے اب تک اپنے اپنے حصے کی تحقیق مکمل کر کے دکتوراہ کی ڈگری حاصل کرلی ہے۔ اس طرح چالیس میں سے اب صرف (۲) لوگوں کا حصہ باقی ہے۔ اس تعلیمی سال (۱۴۴۵ھ ہجری) کے اختتام تک وہ بھی تحقیق کا کام ان شاء اللہ پورا کرنے والے ہیں۔ اس طرح اگر اللہ نے چاہا تو یہ عظیم الشان کام پایۂ تکمیل کو جلد پہنچنے والا ہے۔

الحمد للہ کلیہ حدیث میں تعلیم حاصل کرنے والے ہندوستان کے کئی فاضل اخوان ڈاکٹر خالد بن محفوظ الرحمٰن، ڈاکٹر فاروق عبداللہ نراین پوری، ڈاکٹر نسیم سعید تیمی اور شیخ ابو احمد محمد کلیم الدین یوسف، حفظہم اللہ- کے ساتھ ساتھ راقم الحروف کو بھی اس عظیم کتاب کے بعض حصے کی تحقیق کا شرف اور اس پورے مشروع کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ امید قوی ہے کہ ان شاء اللہ یہ تحقیق سابقہ تمام تحقیقات سے بہت زیادہ بہتر اور ایک معیاری تحقیق ہوگی، کیوں کہ رسائل جامعیہ کے تحت کی جانے والی ریسرچ وتحقیق اور کسی خاص ادارے میں تجارتی مقصد کے تحت کی جانے والی تحقیق میں کافی فرق ہوتا ہے۔ آخر الذکر کو بعجلت کام مطلوب ہوتا ہے، لیکن جامعات ویونیورسیٹیوں میں اس کے برعکس مناسب وقت دیا جاتا ہے۔ لہذا اگر آپ غور کریں کہ اس کتاب کی تحقیق میں چالیس طلبہ نے حصہ لیا ہے اور ہر ایک نے پانچ پانچ سال کا عرصہ اس کام میں لگایا ہے۔ اس طرح سے گویا دوسو (۲۰۰) سال کا طویل عرصہ پوری کتاب کی خدمت میں صرف کیا گیا ہے۔ ہر طالب اپنے حصے کی تحقیق کئی کئی بار پڑھتا ہے، پھر مشرف کی نگاہ سے وہ حصہ گذرتا ہے۔ پھر پورا رسالہ امتحان ومناقشہ کے لیے دو مناقشین کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ اس طرح ایک چیز طالب کے علاوہ تین اور ماہر علما کی نگاہوں سے گزر کر سامنے آتی ہے۔ طالب کو ہر قسم کی تنبیہات وملاحظات پر توجہ دینی پڑتی ہے اور مناقشہ کے بعد اصلاح وتعدیل کے بعد ہی وہ رسالہ کلیہ وجامعہ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اس سے آپ اس طرح کے علمی رسالے کی مضبوطی کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی جامعہ اسلامیہ کی اس تحقیق کے بہت سارے خصائص ہیں، مثلا:

(۱) اس تحقیق میں جن قلمی نسخوں پر اعتماد کیا گیا ہے وہ مؤلف رحمہ اللہ کے شاگردوں کے لکھے ہوئے نسخے ہیں۔ یعنی بہت ہی قدیم واعلی درجے کے نسخوں پر اعتماد کیا گیا ہے، بعض پر خود مؤلف رحمہ اللہ کی طرف سے ناسخ کے لیے اجازہ وسماع کے حوالے سے بعض سطریں اور دستخط ثبت ہیں۔

(۲) متن صحیح بخاری کو ابوذر ہروی کی روایت کے مطابق جس پر ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں عام طور پر

اعتماد کیا ہے، فتح الباری کی اصل متن سے قبل ذکر کردیا گیا ہے۔

(۳) تحقیق میں کم از کم تین مخطوطات کی طرف رجوع کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔

(۴) شرح میں وارد احادیث وآثار کی علمی انداز میں تخریج کی گئی ہے۔

(۵) مؤلف رحمہ اللہ کے ہر منقول عبارت کی اصل مصادر سے توثیق کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔

(۶) غریب ومشکل الفاظ کی تشریح کردی گئی ہے۔

(۷) کسی بھی مسئلہ میں مصنف کی رائے یا کوئی توجیہ صحیح دلائل کی روشنی میں کمزور نظر آنے پر اس کی نشاندہی کردی گئی ہے۔

(۸) اعتقادی مسائل میں خصوصی طور پر مصنف کے قول ورائے کو بنظر غائر دیکھنے اور منہج سلف کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں اس پر ضروری تبصرہ کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

کلیہ حدیث کے ذمہ داران اس کتاب کی تحقیق سے بہت زیادہ خوش ہیں نیز مستقبل قریب میں جاذب نظر شکل میں زیور طبع سے آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں، اس کے لیے ابتدائی طور پر ایک کمیٹی کی تشکیل بھی عمل میں لائی گئی ہے۔ دعا ہے کہ رب العالمین ان کی اس نیک خواہش کو پورا فرمائے۔ مؤلف کتاب کے ساتھ ساتھ اس کی تحقیق وطباعت میں حصہ لینے والے تمام افراد کے لیے یہ کتاب ذخیرہ آخرت ثابت ہو اور علما وطلبہ اس تحقیق سے بھرپور فائدہ اٹھاسکیں۔آمین یارب العالمین!

☆☆☆

منکرات سے روکنا فائدے سے خالی نہیں

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود کو قائم کرنے والا ہے اور اس کی جو ان حدوں میں مبتلا ہونے والا ہے، ان لوگوں کی طرح ہے (جو ایک کشتی پر سوار ہوئے) انہوں نے کشتی کے (اوپر اور نیچے والے حصوں کے لئے) قرعہ اندازی کی، پس ان میں سے بعض اس کی بالائی منزل پر اور بعض نچلی منزل پر بیٹھ گئے، نچلی منزل والوں کو جب پانی لینے کی طلب ہوتی تو وہ اوپر آتے اور بالانشینوں پر سے گزرتے (جو انہیں ناگوار گزرتا) چنانچہ نچلی منزل والوں نے سوچا کہ اگر ہم اپنے (نچلے) حصہ میں سوراخ کرلیں (تاکہ اوپر جانے کے بجائے سوراخ سے ہی پانی لے لیں) اور اپنے اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں (تو کیا اچھا ہو) پس اوپر والے، نیچے والوں کو ان کے اس ارادے سمیت چھوڑ دیں) انہیں سوراخ کرنے سے نہ روکیں اور وہ سوراخ کرلیں) تو سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے (کیونکہ سوراخ کے ہوتے ہی ساری کشتی میں پانی جمع ہوجائے گا، جس سے کشتی تمام مسافروں سمیت غرق آب ہوجائے گی) اور اگر وہ ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیں گے (سوراخ نہیں کرنے دیں گے) تو وہ خود بھی اور دوسرے تمام مسافر بھی بچ جائیں گے۔

(صحیح بخاری)

حدیث المُوتان (قیامت کی چھ نشانیوں والی روایت)

تحریرودراسة: عبدالعلیم بن عبدالحفیظ سلفی (سعودی عرب)

(پانچویں قسط)

(بقیہ تخریج حدیث الموتان)

چھ نشانیوں کی تفصیل:

مذکورہ حدیث میں جو مختلف طرق اور الفاظ کے ساتھ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، قیامت سے قبل چھ علامات اور نشانیوں کا ذکر ہے، ذیل میں ہم ان چھ علامتوں کی وضاحت کریں گے اور دیکھیں گے کہ اسلاف نے ان کے بارے میں کیا بیان کیا ہے اور ان میں سے کن علامتوں کا وقوع ہو چکا ہے اور کون سے ابھی واقع ہونے باقی ہیں، اسی طرح ان علامتوں نے امت پر کون سے اچھے برے اثرات چھوڑے۔

پہلی نشانی: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات:

قیامت کی مذکورہ پانچ نشانیوں میں سے پہلی نشانی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سانحہ اس امت کیلئے بہت بڑا اور المناک تھا۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے تئیں اپنی ذمہ داری مکمل طریقے سے ادا کردی اور تبلیغ رسالت اور احقاق حق کا وظیفہ بحسن وخوبی پورا کرلیا تو دنیا سے آپ کی کوچ کا مرحلہ آ گیا، چنانچہ اللہ رب العزت کی جانب سے آپ کو حمد وتسبیح الہی اور استغفار کا خوب اہتمام کرنے کو کہا گیا، جس کا ذکر سورۃ النصر کے اندر ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سورہ کا ایک نام سورۃ التودیع (یعنی الوداعی سورت) بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

وفات کی کیفیت اور اس کے ایام کا بیان روایات وسیرت کی کتابوں میں بالتفصیل موجود ہے، موضوع کی مناسبت سے یہاں ہم اس سلسلے میں وارد روایات کا مختصرا ذکر مناسب سمجھتے ہیں:

تاریخ وفات:

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سیرت نگاروں کے درمیان قدرے اختلاف کیساتھ جمہور کے قول کے مطابق مدینہ منورہ میں ترسٹھ سال چار دن کی عمر میں بارہ ربیع الاول سنہ 11ھ کو سوموار کے دن ہوئی۔ (الروض الانف سہیلی: 440-439، السیرۃ النبویۃ ابن کثیر: 4/509، فتح الباری: 8/130 اور سیرت کی دیگر کتابیں)۔

وفات کے ایام اور وفات کی سختی:

وفات سے چند ایام قبل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری شروع ہوئی جب آپ کی بیماری شروع ہوئی تو آپ کو بقیع میں ایک جنازے سے واپس آتے ہوئے سر میں شدید درد ہوا، یہاں تک کہ آپ نے اپنے سر پر پٹی باندھ لی۔ جب درد کی شدت بڑھ گئی تو آپ نے اپنی

بیویوں سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنی بیماری کے ایام عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزاریں۔ چنانچہ فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما آپ کو ان کے کمرے میں لے گئے۔ وفات سے پانچ روز قبل آپ کے جسم کا درجہ حرارت بڑھ گیا اور آپ کی بیماری شدید ہوگئی اور پھر آپ نے اپنے جسم میں ہلکا پن محسوس کیا۔ سر پر پٹی باندھ کر مسجد میں داخل ہوئے، منبر پر بیٹھ کر لوگوں سے خطاب کیا اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ (دیکھئے: الرحیق المختوم اور سیرت کی دیگر کتابیں)۔

آپ نے وفات سے چار دن قبل تک (جمعرات تک) تمام نمازیں پڑھائیں، جمعرات کے روز عشاء کے وقت مرض شدید ہوتا گیا آپ پر غشی طاری ہوئی آپ نے کئی بار لوگوں کی نماز کے بارے میں سوال کیا آپ کو بتایا گیا کہ لوگ آپ کے انتظار میں ہیں پھر آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کیلئے کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا حال بیان کرتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: " کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟"، ہم نے عرض کی جی نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: " میرے لیے ایک لگن میں پانی رکھ دو"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہم نے پانی رکھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر غسل کیا۔ پھر آپ اٹھنے لگے، لیکن آپ بیہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو پھر آپ نے پوچھا کہ: " کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے"۔ ہم نے عرض کی نہیں، یا رسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر) فرمایا کہ: " لگن میں میرے لیے پانی رکھ دو"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے پھر پانی رکھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر غسل فرمایا پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن (دوبارہ) پھر آپ بیہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو آپ نے پھر یہی فرمایا کہ: " کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے"۔ ہم نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ: " لگن میں پانی لاؤ"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر غسل کیا۔ پھر اٹھنے کی کوشش کی، لیکن پھر آپ بیہوش ہو گئے۔ پھر جب افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: " کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی " ہم نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ لوگ مسجد میں عشاء کی نماز کے لیے بیٹھے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور حکم فرمایا کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ بھیجے ہوئے شخص نے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز پڑھانے کے لیے حکم فرمایا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے نرم دل انسان تھے۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نماز پڑھاؤ، لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ آخر (بیماری) کے دنوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزاج کچھ ہلکا معلوم ہوا تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر جن میں ایک عباس رضی اللہ عنہ تھے ظہر کی نماز کے لیے گھر سے باہر تشریف لائے اور ابوبکر رضی

اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا،لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے انہیں روکا کہ پیچھے نہ ہٹو! پھر آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے بازو میں بٹھا دو۔ چنانچہ دونوں نے آپ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بازو میں بٹھا دیا۔ راوی نے کہا کہ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی پیروی کر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔(صحیح بخاری/ 687)۔

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: ان کے حجرے میں داخل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ آپ کا مرض بڑھ گیا تھا کہ: "مجھ پر سات مشک ڈالو جو پانی سے لبریز ہوں۔ شاید میں لوگوں کو کچھ نصیحت کر سکوں"۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے ایک لگن میں بٹھایا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حفصہ رضی اللہ عنہ کا تھا اور آپ پر حکم کے مطابق مشکوں سے پانی ڈالنے لگے آخر آپ نے ہمیں اشارہ کیا کہ بس ہو چکا۔ راوی کہتے ہیں کہ: پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مجمع میں گئے، انہیں نماز پڑھائی اور انہیں خطاب فرمایا۔(صحیح بخاری/ 4442، 5714)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: "آخری دیدار جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا وہ سوموار کا دن تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ اٹھایا تو میں نے آپ کے چہرہ انور کو دیکھا گویا کہ وہ قرآن کریم کا ورق تھا۔ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے قریب تھا کہ لوگ اپنی جگہوں سے حرکت کر جائیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہوں پر ٹھہرے رہو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی امامت کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردے کو نیچے گرایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کے آخر میں وفات پا گئے۔(سنن ابن ماجہ/ 1624)

اور ایک روایت میں ہے: سوموار کے دن جب لوگ نماز میں صف باندھے کھڑے ہوئے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کا پردہ ہٹائے کھڑے ہوئے، ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک (حسن و جمال اور صفائی میں) گویا مصحف کا ورق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر ہنسنے لگے۔ ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ خطرہ ہو گیا کہ کہیں ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے ہی میں نہ مشغول ہو جائیں اور نماز توڑ دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر صف کے ساتھ آ ملنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لا رہے ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اشارہ کیا کہ نماز پوری کر لو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ڈال دیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسی دن ہو گئی۔(صحیح البخاری/ 680) ۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بیماری کے ایام میں) تین دن ہماری طرف تشریف نہ لائے، (انہی دنوں میں سے) ایک دن نماز کھڑی کی گئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کمرے کے) پردے کی

طرف بڑھے اوراسے اٹھادیا، جب ہمارے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور کھلا تو ہم نے کبھی ایسا منظر نہ دیکھا تھا جو ہمارے لیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے نظارے سے، جو ہمارے سامنے تھا، زیادہ حسین اور پسندیدہ ہو۔ وہ کہتے ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ آگے بڑھیں اور آپ نے پردہ گرادیا، پھر آپ وفات تک ایسا نہ کرسکے۔(صحیح بخاری / 681وصحیح مسلم/ 419)۔

سوموار کے روز صبح دن چڑھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے اور آپ کا سر ان کی گود میں تھا، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: وفات سے کچھ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پشت سے ان کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ آپ نے کان لگا کر سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کررہے ہیں:"اللهم اغفر لي وارحمني، وألحقني بالرفيق"۔ "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر اور میرے رفیق سے مجھے ملا"۔ (صحیح البخاری/ 4440،صحیح مسلم/ 2444)۔

اور ایک روایت میں قدرے تفصیل ہے وہ فرماتی ہیں کہ: اللہ کی بہت سی نعمتوں میں ایک نعمت مجھ پر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے گھر میں اور میری باری کے دن ہوئی۔ آپ اس وقت میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میرے اور آپ کے تھوک کو ایک ساتھ جمع کیا تھا، وہ اس طرح کہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ گھر میں آئے تو ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسواک کو دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، اس لیے میں نے آپ سے پوچھا، یہ مسواک آپ کے لیے لے لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا، میں نے وہ مسواک ان سے لے لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے چبا نہ سکے، میں نے پوچھا آپ کے لیے میں اسے نرم کردوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے مسواک نرم کردی۔ آپ کے سامنے ایک بڑا پیالہ تھا، چمڑے کا یا لکڑی کا (راوی حدیث) عمر کو اس سلسلے میں شک تھا، اس کے اندر پانی تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنے ہاتھ اس کے اندر داخل کرتے اور پھر انہیں اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے: "لا إله إلا الله "۔ موت کے وقت شدت ہوتی ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے: "في الرفيق الأعلى " یہاں تک کہ آپ رحلت فرما گئے اور آپ کا ہاتھ جھک گیا۔ (صحیح البخاری/ 4449)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت وفات سے متعلق ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر شدت تکلیف کا مشاہدہ کرنے کے بعد کسی شخص کی موت کی آسانی پر رشک نہیں ہوا۔ (سنن الترمذی / 979، علامہ البانی نے اس کی تصحیح کی ہے، دیکھئے: صحیح مختصر الشمائل المحمدیۃ/ 325)۔

اور ایک روایت میں ہے وہ فرماتی ہیں: "مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشَدَّ عَلَيْهِ الْوَجَعُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

اللَّـهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّـمَ "۔ "میں نے (مرض وفات کی تکلیف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کسی میں نہیں دیکھی "۔ (صحیح البخاری/ 5646، صحیح مسلم/ 2570)۔

آپ کی تکفین وتدفین:

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا، عباد بن عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہتے سنا کہ: جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے: قسم اللہ کی! ہمیں نہیں معلوم کہ ہم جس طرح اپنے مردوں کے کپڑے اتارتے ہیں آپ کے بھی اتار دیں، یا اسے آپ کے بدن پر رہنے دیں اور اوپر سے غسل دے دیں، تو جب لوگوں میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی یہاں تک کہ ان میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جس کی ٹھڈی اس کے سینہ سے نہ لگ گئی ہو، اس وقت گھر کے ایک گوشے سے کسی آواز دینے والے کی آواز آئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اپنے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں غسل دو، آواز دینے والا کون تھا کوئی بھی نہ جان سکا، (یہ سن کر) لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھ کر آئے اور آپ کو کرتے کے اوپر سے غسل دیا لوگ قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے اور قمیص سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک ملتے تھے نہ کہ اپنے ہاتھوں سے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: اگر مجھے پہلے یاد آ جاتا جو بعد میں یاد آیا، تو آپ کی بیویاں ہی آپ کو غسل دیتیں۔ (سنن ابی داود/ 3141، علامہ البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے)۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: "لـوكنت استقبلت من الامر، ما استـدبرت ما غسل النبى صلى الله عليه وسلم غيـر نسائه "۔ "اگر مجھے اپنی اس بات کا علم پہلے ہی ہو گیا ہوتا جو بعد میں ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی بیویاں ہی غسل دیتیں"۔ (سنن ابن ماجہ/ 1464، علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یمن کے تین سفید سوتی دھلے ہوئے کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔ (صحیح البخاری/ 1264، صحیح مسلم/ 942)۔ پھر آپ کے جسد مبارک کو وہی دفن کیا گیا جہاں آپ کی روح نکلی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے اس بارے میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہوا بعض کی رائے تھی کہ مکہ میں دفن کیا جائے بعض کی مدینہ میں اور بعض کی بیت المقدس میں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ سے ایک ایسی بات سنی ہے جو میں بھولا نہیں ہوں، آپ نے فرمایا: "جتنے بھی نبی ہوئے ہیں اللہ نے ان کی روح وہیں قبض کی ہے جہاں وہ دفن کیا جانا پسند کرتے تھے (اس لیے) تم لوگ انہیں ان کے بستر ہی کے مقام پر دفن کرو"۔ (سنن الترمذی/ 1018، علامہ البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح الأحکام/ 137 - 138) اور مختصر الشمائل/ 326)۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غم والم:

اُمُّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ تمام ازواجِ مطہرات نبی کریم ﷺ کے پاس تھیں کہ فاطمہ رضی

اللہ عنہا چلتی ہوئی آئیں۔ان کی چال رسول اللہ ﷺ کی چال سے بہت زیادہ مشابہ تھی۔ جب نبی کریم ﷺ نے انھیں دیکھا تو خوش آمدید کہا۔فرمایا:"بیٹی! مرحبا "! پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی دائیں طرف یا بائیں طرف انہیں بٹھا لیا۔اس کے بعد چپکے سے ان کے کان میں کچھ کہا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ رونے لگیں۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان کا غم دیکھا تو دوبارہ ان سے سرگوشی کی،اس پر وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے ان سے کہا کہ: کیا بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم میں سے صرف آپ کو سرگوشی کی خصوصیت بخشی تو پھر آپ رونے لگیں؟ جب نبی کریم ﷺ اٹھے تو میں نے ان سے پوچھا کہ: آپ کے کان میں نبی کریم ﷺ نے کیا فرمایا تھا؟،انھوں نے کہا کہ: میں نبی کریم ﷺ کے راز کو فاش نہیں کرسکتی۔ پھر جب آپ کی وفات ہوگئی تو میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ: میرا جو حق آپ پر ہے،اس کا واسطہ دیتی ہوں کہ آپ مجھے وہ بات بتا دیں جو رسول اللہ ﷺ نے آپ سے فرمائی تھی۔انھوں نے کہا کہ ہاں،اب بتا سکتی ہوں، جب نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پہلی سرگوشی کی تھی تو فرمایا تھا کہ:"جبرائیل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ سال میں ایک یا دو مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس سال میرے ساتھ انھوں نے دو مرتبہ دور کیا اور میرا خیال ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آ چکا ہے،لہذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کا دامن تھامے رہنا کیوں کہ میں تمہارے لیے ایک اچھا سَلَف (آگے جانے والا) ہوں"۔اس وقت میرے رونے کی وجہ یہی تھی جسے کہ آپ نے دیکھا تھا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ نے میری پریشانی دیکھی تو آپ نے دوبارہ مجھ سے سرگوشی کی،فرمایا:"فاطمہ! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ جنت میں تم مومنوں کی عورتوں کی سردار ہوگی"،یا(یہ فرمایا کہ:)" اس امت کی عورتوں کی سردار ہوگی"،تو میں ہنس پڑی جسے آپ نے دیکھا"۔(صحیح البخاری/3623،مختصراً،وصحیح مسلم/2450)۔

اور ایک روایت میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب نبی کریم ﷺ سخت بیمار ہوئے اور آپ پر غشی طاری ہوئی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے میرے والد کو سخت تکلیف ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: "اے فاطمہ! آج کے بعد تمہارے والد کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی"۔ پھر جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے ابا جان! جس نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کر لیا۔اے میرے ابو جان! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانا ہے۔ اے والد گرامی! ہم حضرت جبرئیلؑ کو آپ کے انتقال کی خبر دیتے ہیں۔پھر جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انس رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے انس! کیا تمہارا دل رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالنے کے لیے آمادہ تھا؟۔ (صحیح البخاری/4462)۔

ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا موقف:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ اور درد اتنا زیادہ تھا کہ اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ اسے ماننے کو تیار ہی نہیں تھے،ان کی ذہنی کیفیت عجیب ہو چکی تھی، یہاں تک کہ صبر وعزم کے پہاڑ عمر رضی اللہ عنہ بھی اس صدمے کی وجہ سے آپ کی وفات کی حقیقت کو قبول نہیں کر پا رہے تھے

اور وہ تلوار بلند کر کے کہنے لگے: "خبردار! جو کسی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں، میں ایسے شخص کی گردن اڑا دوں گا۔۔۔! آپ تو اللہ تعالی سے ملاقات کرنے گئے ہیں، جیسے موسی علیہ السلام اپنے رب سے ملاقات کو گئے تھے، وہ لوٹ آئیں گے، بہت جلد لوٹ آئیں گے۔۔۔۔! اب جو وفات کی خبر اڑائے گا، میں اسے قتل کر ڈالوں گا۔۔۔ "اس موقع پر سب سے زیادہ ضبط، برداشت اور صبر کرنے والی شخصیت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی تھی، آپ کے صبر اور عزم و استقلال نے لوگوں کی ذہنی حالت کو کنٹرول کرنے میں تریاق کا کام کیا، ان کی بیٹی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: "(جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو) ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے جو سنح میں تھا گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اترتے ہی مسجد میں تشریف لے گئے۔ پھر آپ کسی سے گفتگو کئے بغیر ان کے حجرہ میں آئے (جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک رکھی ہوئی تھی) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برد حبرہ (یمن کی بنی ہوئی دھاری دار چادر) سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ پھر آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کھولا اور جھک کر اس کا بوسہ لیا اور رونے لگے۔ آپ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے نبی! اللہ تعالی دو موتیں آپ پر کبھی جمع نہیں کرے گا۔ سوائے ایک موت کے جو آپ کے مقدر میں تھی سو آپ وفات پا چکے۔ ابوسلمہ نے کہا کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جب باہر تشریف لائے تو عمر رضی اللہ عنہ اس وقت لوگوں سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نہیں مانے۔ پھر دوبارہ آپ نے بیٹھنے کے لیے کہا۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نہیں مانے۔ آخر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھی تو تمام مجمع آپ کی طرف متوجہ ہو گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: "امابعد! تم میں سے کوئی شخص اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ باقی رہنے والا ہے۔ وہ کبھی مرنے والا نہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ . . . . . . الشَّاكِرِينَ)۔ (آل عمران/144)۔ (اور محمد صرف اللہ کے رسول ہیں اور بہت سے رسول اس سے پہلے بھی گزر چکے ہیں) انہوں نے (۔۔۔الشاکرین) تک تلاوت کی۔ اللہ کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آیت کی تلاوت سے پہلے جیسے لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت بھی اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اتاری ہے۔ اب تمام صحابہ نے یہ آیت آپ سے سیکھ لی پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی۔ (دیکھئے: صحیح بخاری/ 1241، 1442، 3667)۔

وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی حالت:

نبی کی وفات کا صدمہ صحابہ پر تازہ تھا کچھ لوگوں نے کہا اللہ کے نبی دوبارہ زندہ ہو کر آئیں گے، بہت سے کام آپ نے کرنے ہیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شدت غم اور

عمر رضی اللہ عنہ کی ذہنی حالت کو آپ نے ملاحظہ کیا، ان کی حالت تو سب سے دیگر گوں تھی، انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے دھمکی تک دیدی کہ جو کہے گا آپ فوت ہو چکے ہیں تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔

آپ کی وفات مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت تھی جس کے ذریعہ انہیں آزمایا گیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بڑی اور کوئی آزمائش اس امت کے لئے نہیں تھی، جامع ترمذی کے اندر روایت ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِينَةَ، أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ؛ وَمَا نَفَضْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الْأَيْدِي، وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ، حَتَّى أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا"۔ "جب وہ دن ہوا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلے پہل) مدینہ میں داخل ہوئے تو اس کی ہر چیز پر نور ہوگئی، پھر جب وہ دن آیا جس میں آپ کی وفات ہوئی تو اس کی ہر چیز تاریک ہوگئی اور ابھی ہم نے آپ کے دفن سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ہمارے دل بدل گئے (یعنی ان میں وہ نور ایمان باقی نہیں رہا جو آپ کی زندگی میں تھا)۔ (سنن الترمذی/ 3618، سنن ابن ماجۃ/ 1631 ، علامہ البانی نے اس کی تصحیح کی ہے)۔

صحیح مسلم میں ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ملاقات کے لیے ہمارے ساتھ چلو ہم ان سے ملیں گے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں دونوں صاحبوں نے کہا تم کیوں روتی ہو؟ اللہ جل جلالہ کے پاس جو سامان ہے اس کے رسول کے لیے وہ بہتر ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اس لیے نہیں روتی کہ یہ بات نہیں جانتی لیکن میں اس وجہ سے روتی ہوں کہ اب آسمان سے وحی کا آنا بند ہو گیا۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اس کہنے سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی رونا آ گیا اور وہ بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ (صحیح مسلم/ 2454)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ مُصِيبَةٌ، فَلْيَذْكُرْ مُصَابَهُ بِي، فَإِنَّهَا مِنْ أَعْظَمِ الْمَصَائِبِ"۔ "کسی کو مصیبت لاحق ہو تو وہ میرے ذریعہ جو مصیبت لاحق ہوئی ہے اسے یاد کرلے کیونکہ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے"۔ (سنن الدارمی: 1/53 رقم/ 85، علامہ البانی نے اسے صحیح الجامع/ 247 کے اندر صحیح قرار دیا ہے۔ اس معنی کی اور بھی روایتیں ہیں جنہیں علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ/ 1106)۔

اس طرح کی بے شمار روایتیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیا حالت تھی اور اسے وہ لوگ کتنی بڑی مصیبت قرار دیتے تھے۔

پہلی نشانی اور مسلمانوں کا ایک طبقہ:

زیر بحث روایت کے اندر مختلف طرق اور سند سے وارد الفاظ کا مطالعہ کرنے اور ان پر غور کرنے کے بعد واضح طور پر اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قیامت سے قبل وقوع پذیر ہونے والے واقعات ونشانیوں میں سے ایک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دل سوز غم ناک ہونے کے ساتھ ایک شرعی اور کائناتی حقیقت ہے، جس کا انکار کرنے والا قدرت کے ایک عظیم اور حتمی قانون کا منکر ہے، کیونکہ کائنات کی ہر چیز کو فنا ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: (كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ *وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ)۔ (الرحمٰن/27-26) (زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائیگی)۔ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے اشرف وافضل ذات ہونے کے ساتھ ساتھ اسی کائنات کا حصہ تھے، جو اس قانون قدرت سے ہرگز مستثنی نہیں تھے، آپ سے قبل جتنے بھی لوگ آئے بشمول انبیاء کرام کے سب کو اس حقیقت سے گزرنا پڑا اور آپ کے بعد بھی سب کو گزرنا ہوگا۔قرآن وسنت کے بے شمار نصوص اس بات کی دلیل ہیں۔

مذکورہ بالا روایات وحقائق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذہنی حالت کے باوجود مسلمانوں میں بعض ایسے مستحدث اور مبتدع فرقے بھی ہیں جو اپنے باطل عقائد کی ترویج اور شرک وبدعت کے دروازوں کو کھولنے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے منکر ہیں، اور تعجب خیز تو یہ ہے کہ جو لوگ قرآن وسنت کے واضح دلائل کی روشنی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قائل ہیں انہیں جادۂ راہ سے بھٹکا ہوا، گستاخ رسول، دشمن رسول اور نہ جانے کن کن الفاظ سے موسوم کرتے ہیں۔یہی نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ "موت" کے استعمال کو بھی آپ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی سے تعبیر کرتے ہیں، جبکہ خود اللہ رب العزت نے آپ کے لئے "موت" کا لفظ استعمال کیا ہے، فرماتا ہے: (إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ) (الزمر/30) (یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں)۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے رسول کی محبت اور جن کی رسول سے محبت کی انتہا وگہرائی کا اندازہ لگانا مشکل ہے وہ خود اللہ کے رسول کے لئے لفظ "موت" کا استعمال کرتے تھے، صحیح بخاری کے اندر عائشہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے: "أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَوْتِهِ"۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بوسہ دیا تھا"۔(صحیح بخاری/4455)۔اور نسائی وغیرہ کی روایت میں "وَهُوَ مَيِّتٌ" کے الفاظ ہیں۔(دیکھئے: سنن النسائی/1841)۔اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے: "لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي لَمُسْنِدَتُهُ إِلَى صَدْرِي، فَدَعَا بِالطَّسْتِ فَانْخَنَثَ فَمَاتَ"۔ "میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھی، آپ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ نے طشت منگوایا، پھر

ایک طرف جھک گئے اور آپ کی وفات ہوگئی"۔ (صحیح بخاری/4459)۔اورصحیح مسلم کی روایت میں ہے: "لَقَدِ انْخَنَثَ فِی حَجْرِی وَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُ مَاتَ "۔ "آپ (کمزوری سے) میری گود ہی میں جھک گئے اور مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ آپ کی وفات ہوگئی"۔ (صحیح مسلم/1636)۔

ان لوگوں کے وفات نبی کے انکار کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسی راستے سے شرک کے وہ دروازے کھول سکیں جو وہ غیر اللہ سے استغاثہ اور فریاد کے نام پر کرتے ہیں، کیونکہ ایک نبی کی وفات کا اقرار ان کے تمام مزعومہ اور خودساختہ افکار ونظریات کو رائیگاں کردیتا ہے جو وہ اولیاء اللہ کے سلسلے میں صدیوں سے قائم کئے ہوئے ہیں، قرآن وسنت میں قوم نوح سے لے کر عصر حاضر تک مشرکین کے طریق استدلال کا مطالعہ کرجائیے دیگر اسباب کے ساتھ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی وفات کا انکار ان کے بنیادی استدلالات میں سے نظر آئیگا۔اللہ انہیں ہدایت دے۔

اللهم صل وسلم على نبينا وحبيبنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

(جاری)

☆☆☆

سنت جاری کرنے کا اجر

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کا اپنا اجر اور ان تمام لوگوں کا اجر ہوگا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کوئی کمی کی جائے اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کے اپنے گناہ کا بوجھ اور ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر اس کے بعد عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں کوئی کمی کی جائے۔

(صحیح مسلم)

دعوت وارشاد کے میدان میں حکمت کی اہمیت

ماخوذ از: شبکۃ صید الفوائد
ترجمہ وتہذیب: ابوالبیان رفعت سلفی

۱- حکمت وبصیرت اللہ کا انعام عظیم ہے۔

اللہ کا فرمان ہے (يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ) وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بیشک اُس کو بڑی نعمت ملی۔ اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں (سورۃ البقرۃ: ۲۶۹)

مذکورہ آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حکمت، اللہ کا احسان اور اس کی ایسی عظیم نعمت ہے جسے اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے، اور یہ ایسی چیز ہے جسے مشق وتمرین اور تجربہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۲- حکمت کی تعریف وتوضیح۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ حکمت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں" کسی کام کو اس کے مناسب طریقہ پر اور اس کے مناسب وقت میں انجام دینے کو حکمت کہتے ہیں۔ (مدارج السالکین)

علامہ ابن سعدی رحمہ اللہ (ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ) کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں "داعی کو چاہئے کہ وہ مدعو کو اس کی حالت اس کے فہم اور اس کے قبول کرنے اور مان لینے کی صلاحیت کے مطابق دعوت پیش کرے، اور حکمت کے امور میں یہ سب امور شامل ہیں، حکمت میں سے یہ بھی ہے کہ علم کے ساتھ دعوت دی جائے، اہم چیزوں سے بات کا آغاز کیا جائے، پہلے آسان باتیں رکھی جائیں، پہلے ایسی باتیں رکھی جائیں جسے لوگ جلدی قبول کرنے والے ہوں، اور نرم گفتاری سے کلام کیا جائے۔ لیکن اگر حکمت کے یہ مذکورہ طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو پھر ایسی گمبھیر صورت حال میں عمدہ نصیحت کے ذریعہ دعوت پیش کی جائے، اور عمدہ نصیحت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بھلائیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے میں ترغیب وترہیب کا طریقہ استعمال کیا جائے۔

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ دعوت الی اللہ میں حکمت ہی امر مطلوب ہے اور ہر داعی کو من جانب اللہ دعوت پیش کرنے میں حکمت اپنانے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے (ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن) اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقہ سے گفتگو کیجئے (سورۃ النحل: ۱۲۵) اسی طرح سورۃ یوسف میں اللہ کا فرمان ہے (قل هذه سبيلی ادعوا الیٰ الله علیٰ بصيرة انا و من اتبعنی (آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف

بلا رہے ہیں 'پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں (سورۃ یوسف ۱۰۸)

۳-دعوت میں حکمت کے حاصل شدہ نتائج۔

جب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دعوتی میدان میں حکمت اور منہج رسول ﷺ کے ساتھ آگے بڑھے تو لوگ دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگے یہاں تک کہ دین اسلام (تھوڑی سی مدت میں) دنیا کے چپہ چپہ میں پھیل گیا۔

۴-حکمت کے چند ضروری عناصر۔

(۱) داعی خوش اخلاق اور نرم گفتار ہو۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے(فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ) (اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے،سو آپ ان سے درگذر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کریں" (آل عمران: ۱۵۹)

اسی طرح اللہ تعالیٰ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے(اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى. فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے اسے نرمی سے سمجھاؤ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے (سورۃ طٰہٰ: ۴۳-۴۴)

(۲) سختی کے وقت سختی اور نرمی کے وقت نرمی اپنائی جائے۔

اور دعوت میں بسا اوقات سختی کی بھی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ حکمت کا مطلب ہوتا ہے کہ ہر شئے کو اس کی جگہ پر رکھا جائے۔لہذا سختی کے وقت سختی اور نرمی کے وقت نرمی ہونی چاہئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے(قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَـؤُلاء إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَآئِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَونُ مَثْبُوراً (موسیٰ نے کہا کہ تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا ان کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو اور اے فرعون! میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے" (سورۃ بنی اسرائیل: ۱۰۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۃ التوبۃ میں فرماتا ہے(يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ)" اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سخت ہو جاؤ ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے جو نہایت بد ترین جگہ ہے" (سورۃ التوبۃ: ۷۳)

(۳) داعی اپنے قول وفعل میں مدعو کے لئے نمونہ ہو۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ. كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ)" اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت نا پسند ہے" (سورۃ الصف: ۲،۳)

(۴) دوران دعوت مدعو کے احوال وظروف کی رعایت کی جائے۔

اس لئے کہ چھوٹے بڑے، مرد عورت، عالم جاہل، حاکم محکوم، خوش مزاج، بدمزاج سب کے سامنے ایک ہی اسلوب میں خطاب کرنا حکمت کے بالکل خلاف ہے، بلکہ ضروری ہے کہ خطیب سامعین و حاضرین کے ذہن و مزاج کے مطابق اپنا اسلوب خطاب بھی بدلتا رہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے(وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِيْ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اورہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تا کہ انہیں (احکام الٰہی) کھول کھول کر بتا دے پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے"(سورۃ ابراہیم: ۴)

سب سے کامیاب داعی وہ ہے جو اپنے ہر سامع ومخاطب کے ذہن وفکر کے مطابق گفتگو کرتا ہو، اور ہمیشہ اس بات کی پوری کوشش بھی کرے کہ دوران خطاب اس کا اسلوب خطاب تمام سامعین وحاضرین کے موافق رہے۔

(۵) بوقت ضرورت اچھے ڈھنگ سے جدال کیا جائے۔

سماحۃ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "حکمت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ معانی کو مخاطب کی زبان میں ایسے موثر اور آسان اسلوب میں بیان کیا جائے جسے مخاطب بخوبی سمجھ جائے، نہ تو اس کے دل میں اس معانی سے متعلق کوئی بھی شبہ باقی رہ جائے، نہ بیان کی کمزوری، زبان کے فرق، بعض دلائل کے باہم متعارض ہونے، اور راجح قول بیان نہ کرنے کی وجہ سے حق پوشیدہ رہ جائے۔ اور اگر کسی وقت مدعو کو متنبہ کرنے، اس کا دل نرم کرنے اور اسے قبول حق پر آمادہ کرنے کے لئے ڈرانے ودھمکانے والی آیات اور ترغیب وترہیب کی احادیث کے ذریعہ وعظ ونصیحت کرنا ضروری ہو جائے تو ایسی صورت میں ترغیب وترہیب والی نصیحت مدعو کے حسب حال ہونی چاہئے، کیونکہ کبھی مدعو قبول حق کے لئے تیار ہوتا ہے جو تھوڑی سی تنبیہ کے ذریعہ ہی حق قبول کر لیتا ہے اور اس کے لئے حکمت ہی کافی ہوتی ہے۔ اور بعض دفعہ مدعو کے قبول حق کی راہ میں کچھ دشواریاں اور رکاوٹیں بھی درپیش ہوتی ہیں تو ایسی صورت میں ترغیب و ترہیب والی آیات قرآنیہ کے ذریعہ نصیحت کرنے کے ساتھ ساتھ مدعو کے سامنے ان دشواریوں اور رکاوٹوں کا مناسب حل بھی پیش کرنا چاہئے۔ (الدعوۃ لابن بازؒ ص: ۶۴)

اور حکمت کے مراتب میں اچھے ڈھنگ سے مجادلہ کرنا بھی شامل ہے، جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اچھی مثالوں، اور عقلی ونقلی دلائل، کے ذریعہ حق کو بالکل واضح کر دیا جائے، اور سچے براہین اور فریق مخالف کے باطل دلائل کے رد کے ذریعہ حق تک پہنچنے کی پوری کوشش کی جائے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے(وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ)اور اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو "(سورۃ العنکبوت: ۲۹)

مذکورہ آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ داعی کو خالص دعوتی مقاصد سے ہٹ کر محض بحث ومناقشہ میں اپنی مہارت

کے اظہار، اور جدل ومناظرہ میں غلبہ حاصل کرنے کی راہ اپنانے سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے، بہرصورت ہر داعی کا مقصد اصلی صرف اور صرف یہ ہونا چاہئے کہ مدعو حق کو سمجھ کر اسے قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے۔

(۶) داعی ہمیشہ اپنے مخالف کی برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی کوشش کرے۔

سب سے اعلیٰ دعوتی وصف جس سے ہر داعی کو متصف ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ داعی ہمیشہ اپنے مخالف کی برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی کوشش کرے، اور یہ وصف صرف وہی جماعت حاصل کرسکتی ہے جسے اللہ کی جانب سے بہت بڑا نصیبہ عطا کیا گیا ہو، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے(وَلَا تَسْتَوِیْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ . وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (اور بھلائی اور بُرائی برابر نہیں ہوسکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔ اور یہ بات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں" (سورۃ فصلت ۳۴۔۳۵)

(۷) داعی ہمشہ حق بات کہے اور اس راہ میں آنے والی تمام مصیبتوں پر صبر کرے۔

داعی پر واجب ہے کہ وہ تمام حالات میں ہمیشہ حق بات ہی کہے اور اس راہ میں آنے والی تمام تکالیف پر باعمل مومنین کے صبر کی طرح صبر کرے نہ کہ ریاکاروں اور منافقوں کے صبر کی طرح۔ امام بخاری نے عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم خوشی اور ناخوشی دونوں حالتوں میں آپ ﷺ کی بات سنیں گے اور آپ ﷺ کی اطاعت کریں گے اور اس شرط پر بھی بیعت کی کہ جو شخص بھی سرداری کے لائق ہوگا (مثلاً قریش میں سے ہو اور شرع پر قائم ہو) اس کی سرداری قبول کریں گے اس سے جھگڑا نہیں کریں گے، اور یہ کہ ہم حق کو لے کر کھڑے ہوں گے یا حق بات کہیں گے جہاں کہیں بھی رہیں، اور اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔ (صحیح بخاری: ۷۱۹۹۔۷۲۰۰)

واللہ اعلم

وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

☆☆☆

قاعدة في الاستحسان کے ساتھ شیخ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ کا سفر

عبدالاحد احسن جمیل آل عبدالرحمٰن

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جس فن میں بھی قلم اٹھاتے اس فن کا نچوڑ نکال کر قارئین کے سامنے رکھ دیتے۔ چنانچہ اس کتاب کے اندر بھی مؤلف رحمہ اللہ نے نتیجہ خیز بحث کی ہے۔

تالیف کی تاریخ:

اس کتاب کی تالیف کی متعین تاریخ بتانا تو ممکن نہیں البتہ یہ بات حتمی ہے کہ امام رحمہ اللہ کی یہ کتاب ۷۱۲ھ کے بعد کی تالیف ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ نے اس کتاب کے اندر اپنے ایک رسالہ 'معنی القیاس' کا حوالہ دیا ہے اور معنی القیاس یہ امام ابن القیم کے سوال کا جواب ہے اور امام ابن القیم نے امام ابن تیمیہ کو ۷۱۲ھ کے بعد سے آخر عمر تک لازم پکڑا ہے۔

کتاب کی تالیف کا مقصد:

جب امام رحمہ اللہ نے دیکھا کہ مؤلفین اس باب میں کثرت سے اضطراب کا شکار ہیں اور بہت سارے ایسے مسائل جو نص اور اجماع سے ثابت ہیں ان کو خلاف القیاس قرار دے دیا، تو اس میں فیصلہ کن بحث پیش کرنے کی غرض سے یہ کتاب تالیف فرمائی۔

خاصۃ جب امام رحمہ اللہ نے امام ابویعلی اور امام ابو الخطاب الکلوذانی الحنبلی کو دیکھا کہ استحسان کے باب میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی وہی مسلک قرار دیا ہے جو حنفیہ کا ہے تو حقیقت بیان کرنے کی غرض سے یہ کتاب تالیف فرمائی کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اہل الحدیث کا مسلک اس باب میں حنفیہ کے موافق نہیں ہے۔

کتاب کی تاریخ اور سبب تالیف پر نظر ڈالنے کے بعد اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

شیخ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ کے علاوہ بھی متعدد لوگوں نے اس کتاب کی تحقیق اور طبع کا کام کیا ہے لیکن ہر طبع کے اندر کچھ نہ کچھ ایسی کمی ضرور موجود ہے جسے مخل اور ناقص قرار دیا جا سکتا ہے، (یہ بات الگ ہے کہ انسان نقص سے خالی نہیں) لیکن شیخ رحمہ اللہ کی تحقیق کے سلسلہ میں کبار علماء کے اقوال موجود ہیں جو اس طبع کو سب سے صحیح اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے چھوڑے ہوئے نص کے قریب تر قرار دینے کی شہادت ہیں۔

شیخ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام کی جس کتاب کی تحقیق سب سے پہلے کی وہ یہی رسالہ 'قاعدة في الاستحسان' ہے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب یہ کتاب طبع ہوگئی اور میں لے کر شیخ بکر ابوزید رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچا تو شیخ نے بتلایا کہ شیخ محمد بن عبدالرحمٰن نے بھی اس رسالہ کی تحقیق کا کام کیا ہے، کیا آپ نے شیخ محمد بن عبدالرحمٰن القاسم رحمہ اللہ کے نسخہ کو دیکھا ہے؟ تو میں نے نفی میں جواب دیا، اور اچھا ہی ہوا کہ میں

نے نہیں دیکھا تھا یا میں اس عمل کو نہیں جانتا تھا کیوں کہ اگر میں دیکھا ہوتا یا میں جانتا تو اس کام کو نظر انداز کر دیتا۔ پھر میں نے وہ نسخہ جو مستدرک علی مجموع الفتاوی کے ضمن میں شیخ محمد بن عبدالرحمٰن القاسم کی عنایت سے طبع ہوا تھا نکال کر دیکھا تو اس میں بہت زیادہ سقط تھا، کیوں کہ شیخ الاسلام کی عادت ہے کہ جس جگہ حاشیہ لگاتے تو اسی صفحہ کے پیچھے پھر اس کے اگلے صفحہ کے پیچھے پھر اس کے اگلے صفحہ کے پیچھے یعنی تین تین صفحے یکے بعد دیگرے لگاتے چلے جاتے، جس کو عموما نساخ یا ناقلین یا محققین سمجھ نہیں پاتے اور سقط عبارت کی عظیم خطا میں واقع ہو جاتے ہیں۔

یہی کچھ محمد بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے بھی ہوا اور بعض جگہوں پر کلمات غیر واضح ہونے کی وجہ سے اس کو یا تو ویسے ہی چھوڑ دیا ہے یا یہ کہہ دیا ہے کہ پڑھا نہیں جا سکتا، وغیرہ۔

مجھے اس کتاب کا شیخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ مل گیا تو میں نے اس کی تحقیق کرنا طے کیا، لیکن اس کتاب نے مجھ سے بہت وقت لیا، کیوں کہ میں نے متعدد دفترات میں اس کو نسخ کیا، اس کی متعدد وجہیں ہیں:

- اس کام میں تسلسل کی مشکلات کی وجہ سے
- امام رحمہ اللہ کے خط کی مشکلات کی وجہ سے
- بعض ایسے کلمات کی وجہ سے جو مدت تک کہیں مل نہیں رہے تھے۔
- شیخ کا یہ مخطوط میں نے سب سے مشکل مخطوط پایا، وغیرہ۔

پھر جب مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے بدائع الفوائد ابن القیم میں اس کتاب کی بہت ساری عبارتیں ملیں تو بہت سارے غموض حل ہوئے اسی طرح العدۃ از ابی یعلی کا پھر میں نے مراجعہ کیا کیوں کہ مؤلف رحمہ اللہ نے اس کتاب سے بہت ساری چیزیں نقل کی تھی، اس کے علاوہ میں اکثر اصول فقہ کی کتابوں سے استحسان کے باب کا مطالعہ بھی کیا، اور میں نے شیخ الاسلام کی دوسری کتابوں میں بھی بحث شروع کیا جہاں شیخ نے اس سے متعلق کلام کیا تھا تو مجھے اس طرح سے بہت راہنمائی حاصل ہوئی اور اس مخطوط کی بند عبارتیں میرے لئے واضح ہوتی گئیں، اس طرح اس عرق ریزی کے بعد اس کتاب کی تحقیق اور عبارت کی تصحیح کا راستہ آسان ہوتا گیا یہاں تک کہ اس کتاب کی تحقیق مکمل ہوگئی۔

شیخ آگے فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ اس کتاب کو بلا کسی تعلیق کے مجموع فتاوی اور شیخ الاسلام کی دوسری مطبوع کتابوں کی طرح طبع کرایا جائے لیکن پھر میں نے اس سے تراجع کر لیا۔

یہ تھا وہ سفر جس کے ذریعہ شیخ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ کا تراث شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تحقیق کا سفر شروع ہوا تھا، جو ۱۸/ربیع الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۲۰۲۲ء بروز سنیچر وطن عزیز سے دور سرزمین مکہ مکرمہ میں اس وقت رک گیا جب عشاء کی اذان ہوئی تھی اور شیخ رحمہ اللہ شیخ نبیل نصار سندی اور دار الحدیث مکیہ کے چند جدید طلبہ کے ہمراہ اپنے گھر پر محو گفتگو تھے۔ انا لله وانا اليه راجعون اللهم اغفر له وارحمه واجعل الجنة مثواه والهم ذويه الصبر والسلوان۔

مراجع:

- مقدمہ کتاب "قاعدة فی الاستحسان"۔
- كلمة الشيخ محمد عزير شمس عن تحقيق كتب شيخ الاسلام ابن تيميه رحمه الله (۱۲/۴/۱۴۳۷ھ)
- شیخ رحمہ اللہ سے ذاتی استفسار۔ ☆☆☆

یہودیت اور اسلام

موجودہ حالات کے تناظر میں

حمدان ساکری
متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين، نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين وسلم تسليما كثيرا.

کائنات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ثابت شدہ قوانین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اہل حق و باطل ہمیشہ باہم دست وگریباں اور برسر پیکار رہیں گے اور یہ قانون قیامت تک قائم ودائم رہنے والا ہے۔ اس معرکہ آرائی میں ہمیشہ اہل حق کو اہل باطل پر غلبہ حاصل رہا ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین اسلام کو اپنے بندوں کے لیے منتخب کیا ہے، اور یہی تمام انبیاء اور رسل کا دین تھا۔ اسی دین کا نقش دلوں پر بٹھانے کے لیے وہ مبعوث کیے گئے، اگرچہ انبیاء کی شریعتیں، مناہج اور طور طریقے مختلف تھے۔ یہ اس لیے کہ نبوت کا اصل مقصد لوگوں میں جاری عادتوں کی اصلاح ہے اور یہ بات اوضح من الشمس ہے کہ ہر قوم کی عادات، چال چلن اور طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اگر ان قوموں میں سے کسی نبی کو مبعوث کیا جاتا تو وہ ایک ترازو اور قاعدہ پیش کرتا۔ اگر لوگوں کے عادات اللہ کی رضا کے موافق ہوتے تو اسے برقرار رکھا جاتا اور اگر عادات اللہ کی رضا سے متضاد ہوتے تو اسے جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا یا پھر انہیں اصلاح کے مراحل سے گزارا جاتا۔

یہودیوں کا تعارف:

عربی زبان میں کلمہ 'یہوذ' 'الھوذ' سے مشتق ہے جس کے معنیٰ 'لوٹنے' کے ہیں۔ یہودیوں کو یہ نام موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے ملا: (إنا هدنا إليک) (بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا)۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی نسبت "یہودا" سلطنت کی طرف ہے۔ یہودی موسیٰ علیہ السلام کی امت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات کو بحیثیت منار رشد وہدایت کے نازل کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (احتج آدم و موسى فقال به موسى : يا آدم ، أنت أبونا، خيبتنا وأخرجتنا من الجنة، قال آدم: يا موسى، اصطفاك الله بكلامه وخط لك بيده...)(صحیح بخاری:۶۶۱۴، صحیح مسلم:۲۶۵۲)

آدم اور موسی نے مباحثہ کیا، موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا: ''آدم تم ہمارے باپ ہو، لیکن تم نے ہی ہمیں محروم کیا اور جنت سے نکالا۔'' آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''موسیٰ! اللہ نے تمہیں ہم کلامی کے لیے برگزیدہ کیا اور اپنے ہاتھ سے تمہارے لیے تورات کو لکھا''...)

یہودیوں کی تاریخ:

یہودیوں کی تاریخ جاننے کے لیے ہمیں تاریخی کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑے گی، چونکہ یعقوب علیہ السلام کو 'اسرائیل' کہا جاتا ہے اس لیے ان کی ذریت کو 'بنی اسرائیل' کہا جاتا ہے اور یہ یہودی انہی کی ذریت میں سے ہیں۔

یعقوب علیہ السلام نے دیہی علاقے سے مصر کی جانب رخت سفر باندھا اور ہجرت کی۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی یوسف علیہ السلام کو مصر کا خازن بنایا، جس کے بعد یعقوب اور آل یعقوب مصر میں عیش و عشرت کی زندگی گزارنے لگے۔ گزرتے زمانے کے ساتھ ساتھ ان کی ذریت پر فرعون کا تسلط اور غلبہ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ بنی اسرائیل فرعون کے ظلم و بربریت کا نشانہ بن گئے، تاہم اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو فرعون کے شکنجے سے آزاد کرایا۔

آزاد ہونے کے بعد بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی شروع کر دی۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ سے مناجات کرنے کے لیے جبل طور پر گئے ہوئے تھے، تو بنی اسرائیل میں انتشار پیدا ہو گیا اور نظام درہم برہم ہو گیا، وجہ یہ تھی کہ سامری نے ان کے لیے سونے کا بچھڑا بنایا تھا اور انہیں اس کی عبادت کرنے پر آمادہ کیا اور انہیں راہِ ضلالت وگمراہی میں ڈال دیا:

(فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَذَا إِلٰهُكُمْ وَإِلٰهُ مُوسٰى فَنَسِيَ) (طہ:۸۸)

پس اس نے ان کے لیے سونے کا بچھڑا نکالا، جو جسم کے ساتھ آواز کر رہا تھا۔ پھر وہ کہنے لگے: "یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود بھی، لیکن موسیٰ نے اسے بھلا دیا۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ظالم و جابر قوموں سے جنگ کرنے کا حکم دیا، تو وہ کم ظرفی اور بزدلی کا اظہار کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیے اور کہا: **قالوا يا موسى إنا لن ندخلها أبدا ما داموا فيها فاذهب أنت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون.** (مائدہ:۲۴)

کہا: 'اے موسیٰ! ہم اس سرزمین میں کبھی نہیں داخل ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں، تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔' تو اللہ نے عذاب کے طور پر انہیں میدانِ تیہ میں چالیس برس تک قید کر دیا۔ مقررہ مدت ختم ہونے کے بعد بنی اسرائیل نے مقدس سرزمین کو فتح کیا۔ اور اب بنی اسرائیل کی حکمرانی کا دور شروع ہوا، اسی میں داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بھی مبعوث کیا گیا۔ پھر سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل زوال پذیر ہونے لگے اور سلیمان علیہ السلام کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ دھیرے دھیرے ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے گئے اور آخرکار رومیوں نے انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور یہودی ہمیشہ کے لیے ظلم وستم کا شکار بن گئے۔ ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

یہودیوں کی ضلالت وگمراہی:

مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ یہودیوں نے اپنے دین سے اعراض کر لیا اور منہ پھیر لیا اور جو دین موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے اس سے روگردانی کی اور اپنی کتاب تورات کی حفاظت نہیں کر سکے حتی کہ اسے کھو دیا۔ انہی سب اعمال

کی وجہ سے ان کے عقائد میں فساد آیا اور تحریفات پائی گئیں۔ جبکہ ان کا عقیدہ خالص توحید تھا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا تھا، لیکن یہودیوں نے نہ صرف تورات کی آیات کا سودا کیا بلکہ تورات کے احکامات اور آیات میں من مانی تاویلیں کیں اور اس میں حذف واضافے کیے، جس کی وجہ سے وہ ضلالت کی عمیق کھائی میں جا گرے ہیں جس سے بازیابی مشکل ہوگئی ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی:

حسد وبغض:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اسلام کا علمبردار بنایا تو ان یہودیوں سے سوائے حسد، بغض اور کینہ کے علاوہ کسی بھی چیز کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ معاملہ کچھ یوں ہی تھا: نبی سے قبل یہودیوں کو یہ پورا یقین تھا کہ آخری نبی انہی کی قوم میں سے ہوگا، لیکن جب اللہ نے آخری نبی کو عرب میں سے مبعوث کیا، تو یہودی اسلام، محمد ﷺ اور صحابہ کرام کو حسد اور بغض بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(أم يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله.) (النساء:۵۴)

کیا یہ لوگ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے؟

اور نبی ﷺ نے بھی مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: (إن اليهود قوم حسد وهم لا يحسدوننا على شيء كما يحسدوننا على السلام وعلى آمين) (السلسلة الصحيحة:۶۹۱)

یقیناً یہودی حسد کی قوم ہیں اور وہ ہم پر کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا وہ ہم سے سلام اور آمین پر حسد کرتے ہیں۔)

مسلمانوں کے درمیان انتشار پھیلانا:

اس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اللہ کے نبی ﷺ نے اوس اور خزرج کے درمیان ربط وضبط قائم کرلیا، تو وہ جاہلی دور کے تمام آپسی تنازعات اور اندرونی خلفشار کو ختم کر کے اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔ لیکن یہودیوں کی آنکھوں کو یہ منظر خیرا کر دیا اور یہ اتحاد ناگوار ہوا، تو یہودیوں نے ان کے درمیان پھر سے فساد کا بیج بویا اور پھوٹ ڈالی، نتیجتاً وہ آپس میں برسر پیکار ہو گئے یہاں تک کہ شمشیریں بے نیام ہو گئیں۔ صرف یہی ایک نمونہ نہیں، بلکہ اگر تاریخی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم مسلمانوں کے درمیان کس کس ناحیہ سے فتنہ وفساد اور فتنوں کو پھیلانے کی تگ ودو کرتی رہی ہے۔ بلکہ ان لوگوں نے اپنی تاریخ کو جھوٹ، فریب، دھوکے اور خیانت سے سیاہ کیا ہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔ عصر حاضر میں معاشرے پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوگی کہ کیسے جدید تہذیب اور مادہ پرستی کے ذریعے نوجوانوں کے افکار ونظریات کو اپنے مطابق از سر نو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ بلکہ انہوں نے نوجوان نسل کو اپنی تہذیب کا اسیر بنالیا ہے، جس نے انہیں علمی اور اخلاقی ہر دو اعتبار سے زوال میں مبتلا کر دیا ہے۔

جنگ وجدال:

یہودیوں نے نہ صرف مکر وفریب اور دھوکہ دہی کا اظہار کیا، بلکہ ان کی دشمنی جنگ وجدال سے بھی واضح ہوتی ہے۔

غزوۂ بنی قینقاع: ۲ھ

غزوۂ بنی النضیر :۴ھ

غزوۂ بنی قریظہ :۵ھ

غزوۂ خیبر:٦ھ

یہ وہ جنگیں ہیں جنہیں مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں یہودیوں سے کیں۔ اور یہ سلسلۂ معرکہ یہاں تک رکا نہیں بلکہ نبی ﷺ کے بعد بھی ہمیں جنگ کے مظاہر ملتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عبداللہ بن سبا کی سرپرستی میں کس کس ناحیہ سے فتنے پھیلائے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت ساری مثالیں تاریخی صفحات میں درج ہیں۔

یہودی عصر حاضر میں:

یہودیوں کا عروج ایک طویل مدت زوال کے بعد ۱۹۴۸ء میں ہوا، جب اسرائیل بحیثیت ایک ملک وجود میں آیا اور یہ سلطنت امت مسلمہ کے لیے زہر ہلاہل کے مانند ہے۔ چنانچہ فلسطین ان کے قبضے اور تسلط میں ہے وہاں کے باشندے اپنے مقدسات کی حفاظت کے لیے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ لیکن یہ تسلط اور ظلم و بربریت گزشتہ چند سالوں سے حد سے تجاوز کر گیا ہے، طرح طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، قتل عام ہو رہا ہے، بچے، بوڑھے، عورتیں کسی کا بھی لحاظ نہیں کیا جا رہا ہے، کیونکہ یہودیوں کا دل حسب فطرت مردہ ہے، انسانیت نام کا وجود خطرے میں ہے۔ ان کی عداوت اور دشمنی کے بارے میں اللہ ہمیں آگاہ کر دیا ہے، وہ ان کے عزائم اور شرست سے واقف ہے اور خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے: **لتجدن أشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود**.(مائدہ:۸۲)

تم ضرور ان لوگوں کو پاؤ گے جو ایمان والوں کے لیے سب سے زیادہ دشمن ہوں گے، وہ یہودی ہیں۔

منظر حال پر نگاہ ڈالی جائے تو ان مظلوموں کی آہ و پکار سے دل لرزتا ہے۔ آج ہم اللہ کے فضل و کرم سے شکم سیر ہو کر کھاتے ہیں اور ہمارے فلسطینی بھائی نان شبینہ تک کے محتاج ہیں۔ ہم آسودہ ہو کر پیتے ہیں اور وہ قطرے قطرے کے لیے ترستے ہیں۔ انسانیت اس کا متقاضی نہیں!

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

(فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ)(حشر:۲)

یعنی تم عبرت حاصل کرو، اے عقل وبصیرت والو!

ایک عام مسلمان ہونے کے ناطے ہم پر یہ فرض بنتا ہے کہ ہم ان واقعات اور ان حالات سے عبرت حاصل کریں اور نیند کے آغوش سے باہر آئیں، اللہ کی طرف لوٹیں، شرک و بدعات کو ختم کریں اور توحید کے پیغام کو عام کریں۔ اور سب سے اہم یہ کہ بقدر استطاعت مظلوموں کی مدد کریں اور انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ اسلام اور مسلمانوں کی ہر جگہ مدد فرما اور مظلوموں کی دعا کو قبول فرما اور امت مسلمہ کو یہودیوں کے گھناؤنے عزائم اور اعمال سے حفاظت فرما، آمین ثم آمین۔

☆☆☆

سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا

حیات آفریں خدمات

ظل الرحمٰن فائق بندوی

خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی صاحب زادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی بیٹی، حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی حقیقی بہن، جن کے نانا محترم، والد محترم اور خاوند غزوہ بدر اسلام کی سب سے اولین جنگ میں شریک، بلکہ پیش رو کی حیثیت سے کارنامے انجام دیئے۔

وہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو اصابت رائے، ذہانت، فضل وشرف اور عزت وتوقیر کی صفات سے بخوبی متصف تھیں۔

ان کے اپنے خاوند محترم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم کے ساتھ بڑے اثر انگیز واقعات مشہور و معروف ہیں۔

جن کے بیٹے زید بن عمر بڑے فخر سے کہا کرتے تھے: میرے ابو جان بھی خلیفۃ المسلمین تھے اور میرے نانا جان بھی خلیفۃ المسلمین رہے۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے زید بن عمر رضی اللہ عنہ، دونوں کی وفات اتفاقاً ایک ہی دن ہوئی اور ایک ہی دن جنازہ وتدفین جنت البقیع میں عمل میں آئی۔

الحمد للہ ہمارے لئے یہ باعث سعادت ہے کہ ہم اہل بیت کی اس اہم اور قابل قدر خاتون کی سیرت پیش کرنے جا رہے ہیں جنھوں نے نہ صرف عہد نبوی میں بلکہ خلفائے راشدین کے دور میں بھی بہت سے نمایاں کردار ادا کئے ہیں۔ جب اس عظیم خاتون کا تذکرہ رقم کرتے ہیں اور اس عظیم عورت کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ عظیم خاتون ہے جس کا خاوند بھی خلیفۃ المسلمین ہے اور جس کے والد بھی خلیفۃ المسلمین ہیں اور جس کے نانا خاتم النبیین ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کی والدہ سیدۃ نساء العالمین ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ان کا نام بھی ان کی خالہ کے نام پر ام کلثوم رکھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی یعنی حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی حقیقی بہن ہیں۔ انہوں نے اپنے نانا جان یعنی نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو دیکھنے کا شرف و سعادت بھی حاصل کیا۔ اور ان کی نانی ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

ولادت باسعادت:

سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کی ولادت با سعادت عہد نبوی کے آخری ایام میں ہوئی اور اس نومولود کی ولادت باسعادت پر خانہ نبوی میں ہر فرد نے خوشی ومسرت کا اظہار کیا۔ اپنے نانا حضرت محمد ﷺ کی وفات کے وقت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی عمر صرف پانچ سال تھی اور جس سال ان کے نانا کی وفات ہوئی اسی سال ان کی والدہ سیدہ

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے بھی وفات پائی۔ اب سیدہ ام کلثوم کی پرورش و پرداخت ان کے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاق اور زہد وتقوی کی خوشہ چینی کی بنا پر اصابت رائے اور ذہانت کے اعتبار سے نابغہ روزگار کہلائیں۔

انہوں نے اپنے معزز خاندان کے ساتھ زندگی بسر کی اوران کے دونوں بھائی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ان کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔

اسی طرح ازواج مطہرات نے بھی ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہما کی پرورش بڑے لاڈ پیار سے کی۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں بیٹیوں کی شادی کر کے رخصت کر دیا۔ سیدہ زینب جو ان کی بہن تھیں ان کی شادی ان کے چچا کے بیٹے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو کہ سخاوت کے میدان میں بہت معروف تھے اور ام کلثوم کی شادی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی جس کا تذکرہ مستند تاریخی کتابوں میں ملتا ہے۔ اس طرح سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اہل بیت میں بہت بڑا مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ اور اس خاندان کو اللہ رب العالمین نے ہر قسم کی آلودگی سے اچھی طرح پاک وصاف کر دیا۔

قبل اس کے کہ سیدہ ام کلثوم کے نکاح کی تفصیل بیان کروں اس بات کا تذکرہ کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ حضرت عمر وعلی رضی اللہ عنہما کے باہمی تعلقات کسی قدر مستحکم اور باوقار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کیا رائے ہے اس سلسلے میں حافظ ابن عساکر اپنی کتاب تاریخ دمشق میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ وہ اکثر وبیشتر اپنے جسم پر ایک چادر لپیٹے رہتے تھے، ان سے پوچھا گیا: امیر المومنین! آپ زیادہ تر اس چادر کو کیوں پہنے رہتے ہیں؟ تو انہوں نے یہ ارشاد فرمایا: أنه كسانيه خليلي وصفيي وصديقي وخاصتي عمر بن الخطاب، إن عمر ناصح الله فنصحه الله تعالى ثم بكى. (بحوالہ تاریخ دمشق: ۱۹/۱۹) اسے میرے خلیل مخلص دوست اور جگری یار حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے مجھے پہنایا ہے۔ بلا شبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ سے خیر خواہی کی اور اللہ نے ان کی خیر خواہی کی، پھر رونے لگے۔

یہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور اسی طرح کی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رکھتے تھے۔ لہٰذا دونوں ایک دوسرے کا ہر طرح سے پاس ولحاظ رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے نہایت محبت اور ادب سے پیش آتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عورتوں کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عورتیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) پاک دامن مسلمان، نرم طبیعت والی محبت کرنے والی، بچے پیدا کرنے والی۔ یہ زندگی بھر اپنے خاندان وکنبہ کی مدد کرتی ہیں اور ان کی بہی خواہ رہتی ہیں۔ ایسی عورتیں بہت کم دیکھنے میں آئیں گی۔

(۲) اولاد کی نگراں: بس اسے اور کسی کام سے غرض نہیں ہوگی۔

(۳) گلے کا طوق: اللہ جس کے گلے میں ڈالنا چاہے ڈال دے اور جس کے گلے سے اتارنا چاہے اتار دے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب بے شمار خوبیوں کی سنگم سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوچا تو وہ سب سے پہلے اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے نہایت ہی ادب اور عمدہ طریقے سے رسول اکرم کے خاندان کے ساتھ تعلق اور وابستگی قائم کرنے کی اپنی دلی تمنا اور خواہش کا اظہار کیا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنا تھا: كل سبب ونسب منقطع يوم القيامة إلا سببي ونسبي .

(بحوالہ مستدرک حاکم :۳۰/۱۴۲) یعنی بروز قیامت ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے سبب اور میرے نسب کے۔

بہر کیف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی بن ابی طالب سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا تو انہوں نے فرمایا: آپ جانتے ہیں کہ میں نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح اپنے بھائی کے بیٹے عبد اللہ بن جعفر (بھتیجے) سے کیا اور ام کلثوم ابھی چھوٹی ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے اپنا نسبی تعلق کرنا چاہتا ہوں اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہر طرح بخوبی ان کا خیال رکھوں گا۔ جب تک آپ کا حکم ہوگا میں انتظار کرلوں گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت حال دیکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کرنے کے لئے ہاں کردی اور پھر نکاح کی محفل اور تقریب کا اہتمام کیا گیا اور ان سے شادی ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مانگی مراد پوری ہونے پر بروقت فرط مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔

واضح ہو کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ماہ ذی قعدہ ۱۷ھ کو ہوئی اور یوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق اس پاکیزہ خاندان سے مربوط ہوگیا۔

نکاح کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر رسول پر تشریف لائے اور صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر مسکراتے ہوئے گویا ہوئے: اے جماعت مہاجرین اور میرے مخلص ساتھیو! مجھے مبارک باد دو۔

لوگوں نے پوچھا: امیر المومنین کس بات کے لئے آپ کو مبارک باد دی جائے۔

فرمایا: میں نے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا ہے جو نبی کریم ﷺ کی نواسی ہیں۔

اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ کے حبیب جناب محمد رسول اللہ سے سنا تھا:

" كل سبب ونسب منقطع يوم القيامة ما خلا سببي ونسبي، وكل ولد فإن عصبتهم لأبيهما خلا ولد فاطمة فإني أنا أبوهم

وعصبتهم .(بحوالہ درالسحابہ،ص:۵۴۹) ہر نسب اور سبب قیامت کے دن منقطع ہوجائے گا سوائے میرے سبب ونسب کے، اور ہر بچہ اپنے باپ کا عصبہ ہوتا ہے سوائے فاطمہ کی اولاد کے۔ میں ان کا باپ اور عصبہ ہوں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے فرمایا: مجھے محمد ﷺ کی صحبت مبارکہ میں عرصہ دراز سے رہنے کا اعزاز حاصل ہے اور پھر آج میری یہ دلی تمنا اور آرزو بھی پوری ہوگئی۔

مہر کی ادائیگی:

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم سے نکاح کیا اور حق مہر چالیس ہزار درہم کی ادائیگی فرمائی۔

بیٹے کی ولادت:

سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زوجیت کے بعد ان کے یہاں ایک نیک بخت بیٹے کی ولادت باسعادت ہوئی اور اس عزیز بچے کا نام زید بن عمر رکھا گیا۔ علاوہ ازیں ان کے بطن سے ایک بیٹی کی بھی ولادت ہوئی جس کا نام رقیہ بنت عمر رکھا گیا اور ان دونوں بچوں نے بڑے ہونے کے بعد خلافت راشدہ اور خلافت بنی امیہ میں اہم کردار ادا کیا اور بہت نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

سیدہ ام کلثوم بحیثیت معزز بیوی:

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدہ ام کلثوم کی بڑی قدر ومنزلت رہی۔ ان کی زوجیت میں انہیں وہی مقام ومرتبہ حاصل رہا جس کی وہ حامل تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں بہت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول کی نواسی اور سیدہ فاطمہ کی صاحبزادی تھیں، جن کے مقام ومرتبہ سے بھی لوگ واقف ہیں۔ دوسری طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت اور خوش نصیبی حاصل ہوئی کہ انہیں ایک ایسی بیوی ملی جوان کی غمگسار کے ساتھ اعلی اخلاقی اقدار کی بھی حامل تھیں اور اس رشتہ کا حاصل یہ رہا کہ فاطمہ بنت محمد آپ کی خوش دامن اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے خسر ہوگئے اور آپ ان کے داماد ہو گئے۔

خلفائے راشدین کی تاریخ میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تمام بیگمات سے بہتر ثابت ہوئیں نیز حضرت عمر کی زندگی نہایت ہی خوشگوار انداز میں گزری۔ چونکہ وہ خاندان نبوت کی چشم وچراغ تھیں جن کی شہرت چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور تابناک تھی۔

ایک نادر واقعہ:

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک رات اپنی رعایا کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ کے گردونواح اور اس کے اطراف میں گشت پر تھے تاکہ عوام کے حالات کا خود بخود مشاہدہ کرسکیں اور اس طرح ضرورت مندوں کی مدد کرسکیں اور ان کے کام آسکیں۔ اسی دوران آپ کو مدینہ منورہ کے باہر رات کی تاریکی میں ایک جھونپڑی نظر آئی۔ انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ آخر یہ جھونپڑی کیسی ہے۔ صورت حال معلوم کرنے کے لئے اور قریب گئے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ دیکھا

کہ ایک آدمی جھونپڑی کے باہر بیٹھا ہوا ہے اور جھونپڑی کے اندر سے ایک عورت کے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے قریب جا کر اس سے کہا: السلام علیکم۔ اس شخص نے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس آدمی نے نہایت اداس لہجے میں کہا: میں ایک دیہاتی ہوں، یہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عطیہ لینے کی غرض سے آیا ہوں۔ ہم نے سنا ہے کہ وہ تمام لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ بات ہو رہی تھی کہ اسی اثناء میں جھونپڑی کے اندر پھر شدید درد سے کراہنے کی آواز گونجی جو رات کے سناٹے میں ہر سو پھیل گئی اور اس نے رات کے سکون کو تہ وبالا کر دیا۔

یہ آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شفقت اور ہمدردی نے جوش مارا اور آپ نے اس شخص سے پوچھا: میں یہ کس کی آواز سن رہا ہوں، آپ مجھے صورت حال سے آگاہ کریں۔ اللہ آپ کا بھلا کرے۔ اس آدمی نے مایوسی کے لہجے میں کہا: آپ اپنی راہ لیں اور جائیے مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیجئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے محبت بھرے انداز میں پوچھا: میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور مجھے اصل صورت حال بتاؤ، کیا بات ہے؟ اس نے آہستہ سے کہا: یہ میری بیوی ہے درد زہ سے کراہ رہی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولے: کیا اس کی مدد کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی عورت موجود ہے؟ اس نے جواب میں کہا نہیں، اور کوئی عورت نہیں ہے۔ وہ بے چاری اکیلی ہے۔ ہم آج رات ہی پہنچے ہیں، بس یہاں ہم دونوں ہی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر جلدی جلدی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنے گھر پہنچ کر اپنی اہلیہ محترمہ کو جگایا اور کہا: اللہ کی نیک بندی ایک نیک کام ہے جو اللہ نے خود تیرے پاس بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا: امیر المومنین کیا ہوا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مدینہ کے باہر ایک دیہاتی عورت درد زہ سے کراہ رہی ہے اور کوئی عورت اس کے پاس نہیں ہے جو اس کی مدد کر سکے۔ سیدہ ام کلثوم نے کہا: امیر المومنین! آپ جو حکم فرمائیں میں بخوشی تیار ہوں۔ اگر آپ باہر جانے کی اجازت دے رہے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ حضرت عمر نے کہا: دراصل میں چاہتا ہوں کہ اس عورت کی مدد کی جائے۔ چنانچہ ان سے یہ بھی کہا کہ ضرورت کا سامان لے لیں جو ایسے مواقع پر ضروری ہوا کرتے ہیں۔ کچھ ضرورت کے کپڑے اور گھی وغیرہ بھی لے لیں۔ جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تیار ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہانڈی اور دانے وغیرہ مجھے پکڑا دیں۔ انہوں نے دونوں چیزیں آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہانڈی، گھی اور دانے وغیرہ اٹھائے جھونپڑی کی طرف چل دیئے۔ جب دونوں خاوند اور بیوی جھونپڑی کے پاس پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام کلثوم سے کہا: اندر چلی جائیں اور اس عورت کی مدد کریں۔ اور ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آدمی کے پاس بیٹھ گئے اور چولہے پر ہانڈی رکھ دی اور اس آدمی سے کہا: اس کے نیچے آگ جلائیں۔ یہاں تک کہ سالن پک کر تیار ہو گیا تو اس عورت سے ایک

بچے کی ولادت ہوئی اور لڑکے کے رونے کی آواز نے صحراء کے سناٹے میں ایک ہلچل مچادی۔

اتنے میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا جھونپڑی سے باہر نکلیں اور فرمایا: اپنے ساتھی کو خوش خبری سنادیں کہ ان کے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے۔

ملکۂ روم کا تحفہ:

علامہ محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ملکہ روم کو بطور تحفہ کچھ چیزیں بھیجیں جن میں عمدہ خوشبو اور پرس وغیرہ تھے جس میں عورتیں اپنی ضرورت کی چیزیں محفوظ کر لیتی ہیں اور یہ تحائف انہوں نے بذریعہ ڈاک ہرقل ملک روم کی طرف روانہ کر دیئے۔ڈاکیہ یہ تحائف لے کر ملکہ روم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ملکہ روم نے اسے کھول کر دیکھا تو بیحد خوش ہوئی اور اس نے اپنی کنیزوں اور دیگر عورتوں کو اکٹھا کر کے ان کو بتایا کہ یہ تحائف دینے والی کوئی معمولی عورت نہیں ہے بلکہ وہ شاہ عرب کی بیوی اور ان کے نبی کی نواسی ہے۔

اس کے بعد ملکہ روم نے جواب میں باقاعدہ ایک خط لکھ کر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور ایک نہایت قیمتی ہار بطور تحفہ بھیجا۔ ہار اتنا عمدہ اور بیش قیمت تھا جو کسی ملکہ یا شہزادی کے پہننے کے لائق تھا۔ یہ تحائف بذریعہ ڈاک جب ملکہ روم کی جانب سے مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا جو سیدہ ام کلثوم کے لئے خاص تھا۔آپ نے اسے روک لیا اور مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو جمع ہونے کے لئے منادی کرادی۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز پڑھائی، پھر منبر پر کھڑے ہو کر خطاب کیا: میرے بھائیو !مجھے اس معاملے میں آپ سبھی کا مشورہ مطلوب ہے کہ ام کلثوم نے ملکہ روم کو تحائف بھیجے جس کے جواب میں انہوں نے ام کلثوم کو قیمتی تحائف بھیجے ہیں۔اب میں اس معاملے میں فکر مند ہوں کہ اس کا کیا کروں۔لوگوں نے کہا: اس میں کون سی حرج کی بات ہے۔نہ کوئی مشورہ کی ضرورت ہے۔ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو ہدیے و تحائف وغیرہ تو بھیجا کرتے ہیں۔ یہ آپ کی اہلیہ محترمہ کا حق ہے جو اسے ہی ملنا چاہئے۔ بالآخر سب کی بات سننے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ سیدہ ام کلثوم کو حقیقت سے آگاہ فرمایا اور انہوں نے بھی سن کر خوشی کا اظہار کیا اور ان کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ (بحوالہ تاریخ طبری:۶۱/۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حج کی ادائیگی اور وفات:

۲۳ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فریضۂ حج کی ادائیگی فرمائی اور حج سے فراغت کے بعد انہوں نے وادی بطحاء میں قیام کیا اور وہاں اللہ رب العالمین سے دعا فرمائی۔صحیح بخاری میں مروی ہے کہ انہوں نے دعا فرمائی کہ میری جسمانی قوتیں کمزور ہو چکی ہیں، رعایا ہر سو پھیل چکی ہے۔ مجھے اندیشہ لاحق ہے کہ کہیں کوتاہی نہ سرزد ہو جائے اس لئے اے اللہ اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے پاس بلا لے اور نبی کے شہر میں موت نصیب فرما۔

اللہ رب العالمین نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی خواہش پوری کردی، شہادت کی موت مدینہ میں ہوئی۔

ہوا یوں کہ ابولؤلؤ نے جبکہ آپ محراب میں فجر کی نماز کی امامت فرمارہے تھے، قاتلانہ حملہ کر دیا۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں پیش آیا۔ باقی نماز کی امامت عبدالرحمٰن بن عوف نے کرائی۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کی موت سے بڑا غم اٹھایا اور آپ کی وفات سے سارے مسلمان غم واندوہ میں مبتلا ہوگئے۔ ہر شخص آنسو بہاتے ہوئے دکھا۔

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا:

سیدہ ام کلثوم کو ان کے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر لے گئے۔ اس دوران انہیں مسلسل اپنے خاوند حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یادیں آرہی تھیں۔ عدت پوری کی۔ وہ اپنے بیٹے زید بن عمر کو دیکھ کر مطمئن ہوتی تھیں۔ دراصل ان کا بیٹا ہو بہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہم شکل تھا۔

سعید بن العاص قرشی رضی اللہ عنہ کی جانب سے پیغام نکاح:

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے دور کے نہایت ہی سخی اور فیاض آدمی تھے۔ ساتھ ہی بڑے جید عالم وفاضل بھی تھے۔ بڑے مہمان نواز اور اپنے ساتھیوں کے ہمدرد نہایت بردبار، باوقار اور دانشمند تھے۔ فصاحت وبلاغت کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو جب آپ کی جانب سے نکاح کا پیغام موصول ہوا تو انہوں نے اپنے دونوں بھائیوں یعنی حضرت حسن وحسین سے مشورہ کیا۔ حضرت حسن نے تو رضامندی کا اظہار کیا لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس رشتے کے لئے تیار نہیں تھے اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے شادی نہ کریں لیکن اس کے باوجود سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ان سے نکاح کا وعدہ کرلیا اور اپنے بیٹے زید بن عمر سے کہا کہ آپ شادی کی تیاری کریں اور اس کا اہتمام فرمائیں۔ حضرت سعید بن العاص نے ایک لاکھ درہم حق مہر کی ادائیگی کردی اور پھر تمام لوگوں کو اکٹھا کیا اور سبھی کی موجودگی میں انہوں نے صراحت کے ساتھ اپنے بیان میں کہا کہ لوگو! میں نے آپ حضرات کو دعوت دی تھی۔ آپ سبھی لوگوں کی تشریف آوری کا شکریہ لیکن مجھے پتہ چلا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس نکاح کے لئے تیار نہیں ہیں اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ حضرت سیدہ فاطمہ بنت محمد ﷺ کے دونوں بیٹوں کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں۔

لہٰذا میں آپ سب کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ میں یہ شادی نہیں کروں گا اور جو میں نے ایک لاکھ درہم کی خطیر رقم ان کو بطور حق مہر ادا کی ہے اس کو واپس نہیں لوں گا۔ اسے میں اہل بیت کی خدمت میں بطور ہدیہ ونذرانہ پیش کرتا ہوں۔ اہل بیت کے ہم مسلمانوں پر بڑے احسانات ہیں۔ میں دلی طور پر اہل بیت کا قدرداں اور شکرگزار ہوں۔ بعد ازاں سعید بن العاص نے اپنے بیٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت فرمائی۔

قیمتی نصیحت:

اگر اخلاقی قدروں پر قائم رہنا آسان کام ہوتا تو کمینے لوگ بھی تم سے سبقت حاصل کر لیتے۔ اخلاقی قدروں کو ملحوظ خاطر رکھنا بہت دشوار گزار ہوتا ہے۔ جو اخلاقی

قدروں کی اہمیت کو جانتا ہے وہی ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اور یہ کام ہر کسی کے بس کا نہیں۔

عون بن جعفر بن ابی طالب سے شادی:

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے اپنے چچا کے بیٹے عون بن جعفر بن ابی طالب سے نکاح کیا۔ یہاں تک کہ وہ تستر کی جنگ میں شہید کر دیئے گئے۔ ان سے سیدہ ام کلثوم کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

عدت گزر جانے کے بعد ان کی شادی ان کے چھوٹے بھائی محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ یہاں بھی کوئی اولاد ان سے نہیں ہوئی۔

☆☆☆

دین میں بدعات ایجاد کرنے کی مذمت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہو جاتی اور آپ کا غضب شدید ہو جاتا حتی کہ ایسا ہو جاتے گویا آپ (دشمن کے) کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں، آپ فرماتے وہ تم پر صبح یا شام حملہ کرنے والا ہے اور فرماتے کہ میں اور قیامت ایسے مبعوث کئے گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں ہیں اور آپ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی دونوں کو ملا لیتے (یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں ایک دوسرے سے متصل ہیں، درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں ہے اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کسی نبی کا فاصلہ نہیں) اور فرماتے: 'اما بعد، یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور بدترین کام (دین میں) نئے پیدا کردہ کام ہیں اور (ایسا) ہر نیا کام (بدعت) گمراہی ہے۔ پھر فرماتے: میں ہر مومن پر اس کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں (یعنی اس کے معاملات میں اس سے بھی زیادہ خیر خواہ ہوں) جو شخص مال چھوڑ جائے پس وہ اس کے ورثا کے لئے ہے جو قرض یا محتاج اہل وعیال کو چھوڑ کر مر جائے تو (قرض کی ادیگی) میری ذمہ داری اور (بچوں کی نگرانی کا فریضہ) مجھ پر ہے۔

(صحیح مسلم)

جامعہ محمدیہ عربیہ، تیلنی پاڑہ، ہبلی، کلکتہ میں شاندار تعلیمی مظاہرہ

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ
جامعہ سلفیہ بنارس

مدارسِ اسلامیہ ہند صرف دینی تعلیم کے مراکز نہیں، بلکہ یہ اخلاقی، فکری اور علمی ترقی کے گہوارے بھی ہیں۔ ان مدارس میں تقریری مسابقات کا انعقاد نہایت اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ یہ مسابقے طلبہ کی علمی، فکری اور خطاب کی صلاحیتوں کو جلا بخشنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ تقریر ایک ایسی قوت ہے جو تاریخ کے دھارے کو موڑ سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام اور اکابر علماء نے ہمیشہ اپنے کلام کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا۔ مدارسِ اسلامیہ میں تقریری مسابقات کا انعقاد اسی سنہری روایت کو زندہ رکھنے کی ایک کوشش ہے۔ ان مسابقات کے ذریعے طلبہ میں خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے، وہ اپنی بات مؤثر انداز میں پیش کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور دینِ اسلام کے پیغام کو دلائل و براہین کے ساتھ دوسروں تک پہنچانے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں۔ تقریری مقابلے طلبہ کو الفاظ کے انتخاب، لب و لہجے، اور اندازِ بیان میں مہارت حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ایک مقرر جب مضبوط الفاظ اور مدلل گفتگو کے ساتھ اپنا موقف پیش کرتا ہے تو اس کی بات زیادہ مؤثر اور دل نشین بن جاتی ہے۔ یہ صلاحیت مستقبل میں ان کے علمی، تدریسی اور تبلیغی فرائض میں نہایت مددگار ثابت ہوتی ہے۔ تقریری مسابقات کے لیے طلبہ کو تحقیق کرنی پڑتی ہے، جس سے ان کی دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ مختلف موضوعات پر تیاری کے دوران وہ قرآن و حدیث، سیرت و تاریخ اور علمی ذخائر سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔

دین اسلام کی اشاعت اور دفاع کے لیے ایک ماہر خطیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کے چیلنجز کو دیکھتے ہوئے، مدارس کے طلبہ کو ایسے مواقع فراہم کرنا از حد ضروری ہے جہاں وہ دین کے پیغام کو خوبصورت، پرجوش اور مؤثر انداز میں پیش کر سکیں۔ آج کے دور میں مسلمانوں کو جن فکری اور نظریاتی چیلنجز کا سامنا ہے، ان کا مقابلہ کرنے کے لیے علمی اور تقریری صلاحیت کی اشد ضرورت ہے۔ مدارسِ اسلامیہ کے طلبہ دین کے علمبردار ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ اپنی تقریری صلاحیتوں کو نکھاریں تاکہ وہ باطل نظریات کا مؤثر جواب دے سکیں اور اسلام کی حقانیت کو عام کر سکیں۔ مدارس میں تقریری مسابقات اس لیے بھی ضروری ہیں کہ جدید تعلیمی اداروں میں بھی اس پر خاص توجہ دی جاتی ہے، جہاں طلبہ کو گفتگو، مناظرہ اور عوامی تقریر کی مکمل تربیت دی جاتی ہے۔ اگر مدارس کے طلبہ بھی ان فنون میں مہارت حاصل کریں تو وہ اپنے دینی، علمی اور معاشرتی فرائض کو بہتر انداز میں انجام دے سکتے ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک شاندار کڑی جامعہ محمدیہ عربیہ، تیلنی پاڑہ، ہبلی، کلکتہ کا سالانہ تعلیمی مظاہرہ تھا، جو کہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی اہم ترین شاخوں میں سے ایک اہم شاخ ہے۔ یہ تعلیمی مظاہرہ 12 جنوری 2025 بروز اتوار صبح 10 بجے منعقد ہوا اور سہ پہر 3 بجے تک جاری رہا۔ جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ فضیلۃ الشیخ آصف اقبال مدنی حفظہ اللہ کی دعوت پر، راقم الحروف ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ مدنی کو ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی کے ہمراہ اس علمی نشست میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ پروگرام میں جامعہ کے ہونہار طلبہ نے عربی، اردو، انگریزی اور بنگلہ زبانوں میں مختلف علمی، دینی، ادبی اور سماجی موضوعات پر تقاریر پیش کیں۔ ان تقاریر میں علمی گہرائی، فصاحت و بلاغت اور مؤثر اندازِ بیان نمایاں تھا، جسے سامعین نے بے حد سراہا۔ اساتذہ کرام کی محنت ولگن کے آثار طلبہ کی تیاری میں واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ اس بابرکت محفل میں جامعہ کے اساتذہ، طلبہ کے والدین، سرپرست حضرات، شہر و مضافات کے معززین اور دیگر علمی وسماجی شخصیات نے شرکت کی۔ اس تقریب کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ جامعہ کے دو اہم تعلیمی شعبوں مرحلہ ثانویہ سے 14 طلبہ اور شعبہ حفظ سے 9 طلبہ نے فراغت حاصل کی۔ کئی سالوں کی محنت و ریاضت کے بعد ان طلبہ نے اپنے تعلیمی سفر میں ایک اہم سنگ میل عبور کیا۔

پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآنِ پاک سے ہوا، جس کے بعد جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ فضیلۃ الشیخ آصف اقبال مدنی حفظہ اللہ نے افتتاحی کلمات پیش کیے اور مہمانانِ گرامی کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد بعض اساتذہ اور مہمانان نے حاضرین کو عمومی نصیحتوں سے نوازا، جبکہ فارغ التحصیل طلبہ کو خصوصی ہدایات اور دعاؤں سے رخصت کیا۔ پروگرام میں مہمانِ خصوصی راقم الحروف ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ مدنی نے "دینی تعلیم کی اہمیت و افادیت اور عصرِ حاضر میں اس کی ضرورت "کے عنوان پر جامع اور پُرمغز خطاب کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی حفظہ اللہ نے صدارتی خطاب کیا، جس کے ساتھ ہی اس یادگار تعلیمی مظاہرے کا رسمی اختتام ہوا۔

پروگرام کی ایک اور قابلِ ذکر بات طلبہ کے والدین اور سرپرستوں کی بھرپور شرکت تھی۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیمی پیشرفت کا قریب سے مشاہدہ کیا اور ان کی کامیابیوں پر خوشی ومسرت کا اظہار کیا۔ جامعہ کے اساتذہ نے والدین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیمی واخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے رہیں۔ پروگرام کے اختتام پر فارغ التحصیل طلبہ اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے دیگر طلبہ کو قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔ انعامات میں علمی و تحقیقی کتب اور دیگر ترغیبی تحائف شامل تھے، جو طلبہ کی تعلیمی سرگرمیوں میں مزید دلچسپی پیدا کرنے کا سبب بنے۔

مغرب بعد، مدرسہ کی جامع مسجد میں ایک علمی نشست منعقد ہوئی، جس میں راقم الحروف نے ''حُسنِ اخلاق کے دنیوی و اُخروی فوائد'' پر مدلل خطاب کیا، جبکہ ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی حفظہ اللہ نے "نماز میں کی جانے والی عام غلطیاں "پر مفصل گفتگو فرمائی۔ سامعین نے ان

بیانات کو انتہائی دلچسپی سے سنا اور ان سے بھرپور استفادہ کیا۔

مدرسہ کے ناظمِ اعلیٰ، اساتذہ کرام، طلبہ عزیز، منتظمہ کمیٹی کے اراکین اور تیلنی پاڑہ کے باشندگان نے مہمانوں کا پرتپاک استقبال کیا، بہترین قیام وطعام کا انتظام کیا اور ہر لمحہ حسنِ اخلاق اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا۔ ان کے اخلاص اور محبت نے دلوں کو موہ لیا۔ فجزاہم اللہ خیراً۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مدرسے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اس کے اساتذہ، ذمہ داران اور بالخصوص ناظمِ اعلیٰ فضیلۃ الشیخ آصف اقبال مدنی حفظہ اللہ کی کوششوں کو قبول فرمائے، ان کے علم وعمل میں برکت دے، اور دینِ اسلام کی مزید خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔ نیز، اللہ تعالیٰ اس محنت کا بہترین بدلہ جنت الفردوس کی صورت میں عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

راستوں کے حقوق

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارے لئے ان مجلسوں کے بغیر چارہ نہیں، ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے لئے وہاں بیٹھنا ضروری ہی ہے تو تم راستوں کے حقوق ادا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! راستوں کے حقوق کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: نگاہوں کو پست رکھنا، تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹانا (یا خود تکلیف پہنچانے سے باز رہنا) سلام کا جواب دینا، نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

PRINTED BOOK

ISSN 2394-0212

January & February 2025

Vol.XLII No.01-02

R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Website: www.mohaddis.org

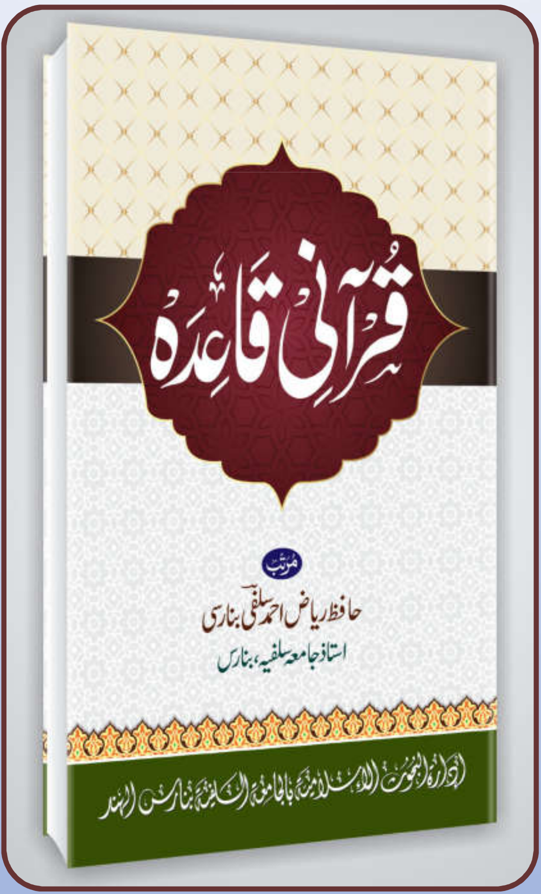

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Mohammad Ayoob Salafi

Printed at Salafia Press, Varanasi.